اکتوبر 2014، قیمت 10 ₹

ماہنامہ بچوں کی دنیا دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi



BACHON KI DUNIYA Monthly, October 2014, Vol. 02, Issue: 10
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL (S) - 01/3439-2013-15
Date of Publication : 1/10/14
Date of Dispatch : 12 and 13 of Advance Month

Printed and Published by Dr. Khwaja Md. Ekramuddin, Director, NCPUL on behalf of NCPUL, FAROGH-E-URDU-BHAWAN, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110025, and printed at S. Narayan & Sons, B-88, Okhla Indl. Area Phase-II, New Delhi-110020 on 80 GSM Art Paper produced by JK Editor : Dr. Khwaja Md. Ekramuddin, Tel : 48539000



اس شمارے میں



ماہنامہ بچوں کی دنیا

جلد:2 شمارہ:10 اکتوبر 2014

صدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	2
نظم	جادو کی ڈبیا	غضنفر	3
گاندھی جینتی	لعل گاندھی (کہانی)	اسلم جمشید پوری	4
دل چسپ خبریں	دنیا ایک عجائب خانہ	ادارہ	9
عید الاضحیٰ	قربانی (مضمون)	زیب النساحیا	13
	عید کا دن (نظم)	توحید الحق	15



یادیں	عیدی	رونق جمال	16
کہانی	پیار کی اجرت	ابرار احمد اعظمی	18
	قلفی والے چاچا	رحیم رضا	20
لوک کہانی	جھوٹ کا سچ	تنویر اختر رومانی	22
غیر ملکی کہانی	جاپانی سنگ تراش، فارسی سے ترجمہ	اشفاق انجم	24
عقل کی کہانیاں	تینالی رام کے دو قصے	ریحانہ خاتون	26
نظم	ڈیڈی جی اک ڈبہ لائے	محمد کاشف غلام ربانی	28
ہنسانے والا مضمون	نصیر الدین چچا کی باتیں	مشتاق اعظمی	29
پیروڈی	ایک طالب علم کی دعا	اسد رضا	32
معلومات	چیونٹیاں ہی چیونٹیاں	راحت روشن	33
نظم	مچھر کا افسانہ	کلثوم کشفی	38
کھیل کھلاڑی	ہاکی کے جادوگر دھیان چند	راشد جمال فاروقی	39
نظم	آؤ اب ہم کرکٹ کھیلیں	نور یکتا	41
	سورج چاند ستارے	محمد اسد اللہ	42
کامکس	بھولے بھالو کی حماقتیں	ادارہ	43
اردو ایس ایم ایس	بڑے مزے کی حکایتیں	ادارہ	50
قسط وار	فسانۂ عجائب 7	رجب علی بیگ سرور	54
اردو نیس بک	بچوں کی باتیں	ادارہ	64

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

اعزازی مدیر: نصرت ظہیر

ناشر اور طابع:
ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

مطبع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی-88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا
فیز-II، نئی دہلی-110020

مقام اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

قیمت-/10 روپیہ سالانہ -/100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

صدر دفتر
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000

شعبۂ ادارت: 11-49539009

ای میل
bachonkidunya @ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

شعبۂ فروخت: فون: 26109746
ویسٹ بلاک-8، ونگ-7 آر کے پورم،
نئی دہلی-110066

ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

"بچوں کی دنیا" کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبۂ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں

شاخ 22-7-110، قمر ڈفنس، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، چارکمان، حیدرآباد-500002
فون: 24415194 - 040

جادو کی ڈبیا

غضنفر

سنو چھو ، منو مرے پاس آؤ
شکیلہ جمیلہ کو بھی ساتھ لاؤ
یہ دیکھو مرے پاس کیا آگئی ہے
یہ چھوٹی سی ڈبیا بڑے کام کی ہے
یہ ڈبیا نہیں منتروں کی چھڑی ہے
سنو اس میں جادو کی پڑیا پڑی ہے
اسے جب گھماؤ تو دنیا گھمائے
یہ گھر بیٹھے بیٹھے سیاحت کرائے
اسے کھٹکھٹاؤ تو گھونگھٹ اٹھائے
ہمیں چاندنی اپنی صورت دکھائے
اسے جب دباؤ تو یہ گنگنائے
انوکھی نرالی دھنیں یہ سنائے
بنا کچھ دبائے بھی یہ بولتی ہے
بنا کچھ ہلائے بھی یہ ڈولتی ہے
ضرورت ہو جس کی اسے یہ بلادے
بلا کر ہمیں اس سے باتیں کرادے
ہمیں اپنے بچھڑے ہوؤں سے ملادے
ہمارے دلوں میں محبت جگادے
یہ چاہے تو جس سے بھی جس کو ملادے
کسی کو کسی سے بھی چاہے بھڑادے
کبھی اجنبی کو بھی ساتھی بنادے
کبھی دوست کو بھی یہ دشمن بنادے
کبھی جو شرارت یہ کرنے پہ آئے
تو چاہے جسے رات دن یہ ستائے

طلسمی فضائیں بھی اس میں چھپی ہیں
ہزاروں بلائیں بھی اس میں چھپی ہیں
کبھی تو یہ دنیا کا نقشہ ابھارے
کبھی آسماں کو زمیں پر اتارے
کہاں کیا ہوا سارا قصہ سنائے
یہاں کا وہاں کا تماشہ دکھائے
یہ مشرق کو مغرب سے پل میں ملائے
بس اک آن میں دوریوں کو مٹائے
یہ فوٹو بھی بیٹھے ہی بیٹھے اتارے
ہمارے بھی چہرے کا نقشہ ابھارے
یہ دیکھو تمہارا بھی فوٹو کھینچا ہے
تمہارے بھی چہروں کا نقشہ بنا ہے
نہیں وقت کا صرف چکر چلائے
یہ ڈبیا تو تاریخ دن بھی بتائے
الارم کی دھن وقت پر یہ بجائے
ہمیں نیند میں غفلتوں سے جگائے
مرے دل میں کیا ہے اسے یہ خبر ہے
مرے دل کے اندر بھی اس کی نظر ہے
الہ دین کا یہ دیا تو نہیں ہے
اور اس میں کوئی جن بسا تو نہیں ہے
کہ جب بھی بلاؤ تو دیکھو کھڑا ہے
جو کچھ چاہیے اس نے حاضر کیا ہے
چھڑی کی چھڑی دیکھ بچے یہ بولے
بہت دیر کے بعد منھ اپنے کھولے



یہ ڈبیا تو سچ مچ بڑے کام کی ہے
ہمیں بھی بتاؤ کہاں سے ملی ہے
بتاؤ کہ اس کا کوئی نام بھی ہے
قری میں ملی ہے یا کچھ دام بھی ہے

Dr Ghaznafar Jamia Millya Islamiya New Delhi-110025

اسلم جمشید پوری



لٹل گاندھی

ڈاکٹر اسلم جمشید پوری اردو کے مشہور افسانہ نگار ہیں۔ زیادہ تر بڑوں کے لیے لکھتے ہیں۔مگر یہ کہانی انھوں نے ہماری درخواست پر خاص طور سے بچوں کے لیے لکھی ہے جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ اردو کے اور بھی کئی مشہور ادیبوں سے بچوں کے لیے کہانیاں لکھوانے کی ہماری کوشش جاری ہے۔اگلے مہینے آپ ایک اور اہم افسانہ نگار کی بچوں کے لیے لکھی گئی کہانی پڑھیں گے۔مگر ان کا نام ابھی نہیں بتائیں گے! اعزازی مدیر

دو اکتوبر کا دن تھا۔ ویسے تو زیادہ تر 2 اکتوبر کو چھٹی ہوتی ہے۔ لیکن اس بار اسکول میں گاندھی جی کی زندگی پر ایک ڈراما ہونے والا تھا۔ اسکول کا آڈیٹوریم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ پردہ اٹھا اور اسٹیج کے بالکل وسط میں روشنی کا ایک دائرہ سا ابھرا۔ دائرے میں لاٹھی ٹیکتا ایک بوڑھا اپنے جسم کو ایک دھوتی میں لپیٹے، عینک لگائے نمودار ہوا۔ جوں جوں وہ اسٹیج پر لاٹھی ٹیکتا ہوا آگے بڑھا بیک گراؤنڈ سے ہلکا میوزک اور آواز ابھرنے لگی:

"موہن داس کرم چند گاندھی..."

"بھارت کا مہان سپوت..."

"مہاتما گاندھی..."

"گاندھی...گاندھی...سچ کا طوفان...اہنسا کی آندھی... گاندھی..." پورا ہال تالیوں کی گڑگڑاہٹ سے گونج اٹھا۔ گاندھی کا کردار نبھاتے ہوئے ابرار نے وہ ایکٹنگ کی کہ لوگ دانتوں تلے انگلیاں دبانے پر مجبور ہو گئے۔ آدھے گھنٹے کے ڈرامے میں اور بھی کئی کردار تھے۔ لیکن اختتام پر سب کی زبان پر گاندھی کا ہی کردار تھا۔ پروگرام کے آخر میں پرنسپل نے جب ابرار کو بیسٹ ایکٹر ایوارڈ سے نوازا تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ وہ پچھلے کئی ماہ سے ریہرسل کر رہا تھا۔ پھر بھی اسے اتنی بڑی کامیابی کی امید نہیں تھی۔ اس نے

گاندھی جی کی بڑی بڑی تقریریں یاد کر لی تھیں اور اتنی روانی سے تقریر کی کہ لوگ حیرت سے تالیاں بجانے پر مجبور ہو گئے تھے۔

"بھائیو۔ ہم سب ہندوستانی ہیں۔ انسان ہیں۔ ہمیں ایک بات یاد رکھنی چاہیے۔ ہم ہمیشہ ستیہ کی آواز بنیں۔ ستیہ سب سے بڑی طاقت ہے۔ ستیہ ہی ایشور ہے..." اس نے اتنی روانی سے گاندھی کی تقریر کی تھی کہ اس کے اساتذہ نے اسے دل سے لگا لیا تھا۔

واپسی پر جب اس نے اپنے والد حیدر علی اور والدہ نفیسہ بیگم کو اپنے انعامات اور پھول دکھائے تو ان کی آنکھوں میں بھی بیٹے کی طرح کے آنسو امڈ آئے۔ انھیں اپنے بیٹے پر ناز تھا۔ ماں نے آگے بڑھ کر اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا اور پیار کرنے لگیں۔

اگلے دن جب ابرار اسکول گیا تو اسے دوستوں نے گھیر لیا۔

شاہ رخ: یار تم نے تو کمال ہی کر دیا...

موہن: ابرار تم بالکل گاندھی کی کاپی لگ رہے تھے۔

نثار: اوئے لٹل گاندھی... کیا بھاشن دیا تم نے..."

لٹل گاندھی... لٹل گاندھی...

سبھی دوستوں نے لٹل گاندھی کی رٹ لگا لی۔ دوستوں کا مذاق، حقیقت میں بدلنے لگا اور اس دن کے بعد سبھی اسے لٹل گاندھی کہنے لگے۔ بہت جلد وہ لٹل گاندھی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس کے دوستوں کا ماننا تھا کہ اس کی چال، ڈھال اور انداز گاندھی جی سے بہت ملتا ہے۔ جانے انجانے اس کے اندر گاندھی کی روح سماتی چلی جا رہی تھی۔ شہر اور شہر کے باہر... جہاں بھی گاندھی جی پر کوئی پروگرام ہوتا ابرار کو ضرور بلایا جاتا۔ بہت سے پروگراموں میں تو وہ صرف گاندھی جی جیسا مختصر لباس پہن کر شریک ہو جاتا۔ بعض پروگراموں میں گاندھی جی کے انداز میں تقریر کرتا اور بعض میں گاندھی جی کی زندگی کو اسٹیج پر زندہ کر دیتا۔ آہستہ آہستہ لوگ اسے لٹل گاندھی کے طور پر ہی جاننے لگے۔

ایک دن لنچ بریک میں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ لنچ لے رہا تھا۔ اچانک ایک طرف سے شور بلند ہوا۔ پتہ چلا موہن اور دھرمیندر آپس میں لڑ رہے ہیں۔



"نکل بے نیچ ذات کے سوّر... تو نے میرے باکس کو کیسے ہاتھ لگایا؟" موہن نے حقارت آمیز لہجے میں دھرمیندر کو للکارا تھا۔

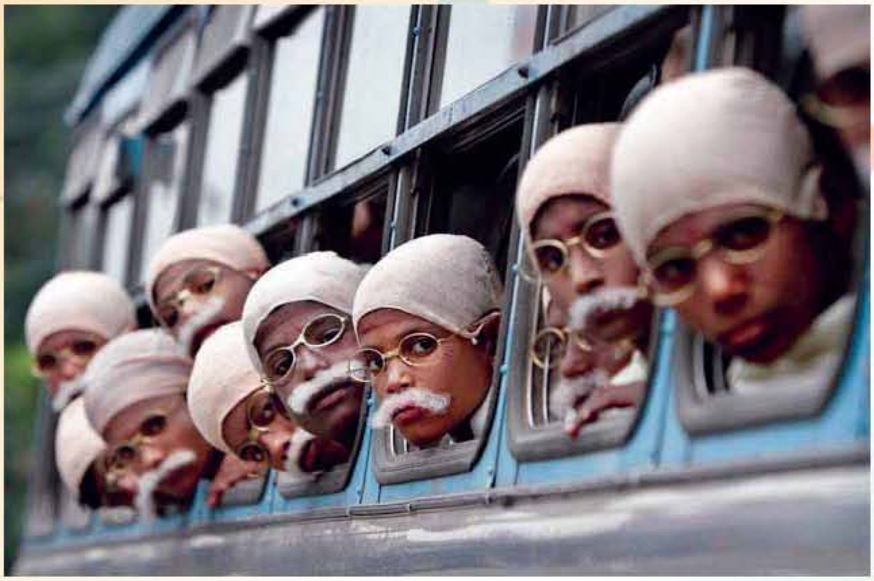
"گالی مت بکنا... ورنہ خون پی جاؤں گا، بڑا آیا اونچی ذات والا..." دھرمیندر بھی مقابلے پر اتر آیا تھا۔ موہن نے آؤ دیکھا نہ تاؤ دھرمیندر پر پل پڑا۔ ابرار لپک کر دونوں کے بیچ میں آ گیا۔

"لڑو نہیں... چلو ہٹو..."

ابرار بیچ بچاؤ کرا رہا تھا کہ ایک گھونسہ اس کے منہ پر لگا۔ ابرار کو بھی غصہ آ گیا۔ مگر اس سے قبل کہ وہ بھی اپنے ہاتھ صاف کرتا اسے گاندھی جی یاد آ گئے۔ ان کی تقریر اس کے دماغ میں گونجنے لگی۔

"تشدد کا جواب تشدد نہیں ہوتا۔" ابرار دونوں کے درمیان دیوار کی مانند کھڑا ہو گیا اور سخت لہجے میں بولا۔ "مجھے بتاؤ کیا ہوا...؟ ورنہ دونوں کو پرنسپل کے پاس لے جاؤں گا۔"

ابرار کے دوست بھی آ گئے تھے۔ معاملہ صرف یہ تھا کہ موہن برہمن خاندان سے تھا اور دھرمیندر نچلے طبقے سے جسے دلت طبقہ بھی کہتے ہیں۔ موہن نچلے طبقے کے لوگوں سے نفرت کرتا تھا۔ وہ تو دھرمیندر کے پاس بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ ہمیشہ اس سے بچ کے رہتا۔ بھیڑ بھاڑ میں اگر وہ ایسے کسی شخص سے ٹچ بھی ہو جاتا تو اپنے کپڑوں کو جھاڑتا اور گھر جا کر نہانے کے بعد ہی مطمئن ہو پاتا۔ دھرمیندر بھی موہن سے کم نہیں تھا۔ اسے موہن کا نچلوں سے نفرت کرنا بہت برا لگتا تھا۔ وہ بھی موہن سے نفرت کرتا تھا۔ اسے اپنی برادری پر



ناز تھا۔ وہ سب گاندھی میموریل ہائی اسکول میں دسویں کے طالب علم تھے۔ آج لنچ بریک میں سب لنچ کر رہے تھے۔ موہن کا لنچ باکس کھل نہیں رہا تھا۔ اسٹیل کا لنچ باکس سختی سے بند ہو گیا تھا۔ سبھی دوستوں نے زور لگا لیا تھا۔ پر لنچ باکس نہیں کھلا۔ شیام نے لنچ باکس دھرمیندر کی طرف بڑھا دیا تھا۔ دھرمیندر اپنی کلاس میں سب سے طاقت ور اور مضبوط تھا۔ اس نے لنچ باکس ہاتھ میں لے کر زور لگایا تو وہ کھل پڑا۔ لنچ باکس واپس موہن کے پاس آ گیا تھا۔ موہن غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ اس نے موہن کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے لنچ باکس دھرمیندر پر کھینچ مارا۔ وہ تو دھرمیندر ایک طرف کو ہو گیا تھا، ورنہ اس کے چوٹ بھی لگتی اور کپڑے بھی خراب ہوتے۔ دھرمیندر بھی کہاں برداشت کرنے والا تھا، وہ بھی پوری طاقت سے موہن سے بھڑ گیا تھا۔ بس پھر کیا تھا۔ دونوں میں زبر دست لات گھونسے چلنے لگے۔ ابرار نے آگے بڑھ کر بیچ بچاؤ کرانا چاہا تو ایک گھونسہ اسے بھی لگا۔ اسے غصہ تو آیا لیکن اس نے غصے پر قابو پاتے ہوئے موہن کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''موہن... دیکھو ہم سب برابر ہیں۔ دھرمیندر بھی...''

''چل بے.... گاندھی کی اولاد... اپنا لکچر بند کر... گدھے گھوڑے کبھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔''

موہن نے ابرار کو آڑے ہاتھوں لیا۔ ابرار نے اپنی قوت برداشت کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں... چلو دھرمیندر کو معاف کر دو۔'' پھر وہ دھرمیندر کی طرف گھومتا ہوا بولا ''دھرمیندر تم ہی چھوٹے بن جاؤ، معافی مانگ لو...''

''نہیں ابرار میں معافی کیوں مانگوں۔ میرا کوئی قصور نہیں...''

''کوئی بات نہیں۔ کبھی کبھی امن وامان کے لیے چھوٹے بھی بن جاتے ہیں۔ پھر معافی مانگنے والا چھوٹا نہیں ہوتا....''

''موہن بھائی۔ سوری...'' دھرمیندر نے ابرار کے سمجھانے پر موہن سے معافی مانگ لی۔

''ہونہہ....'' موہن نے سوری کا جواب سوری سے نہیں دیا۔ وہ اب بھی غصے میں تھا۔ ابرار دھرمیندر کو لے کر ایک طرف کو چلا گیا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔

اس دن کے بعد کلاس میں دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک طرف امیر اور اعلیٰ ذات کے طالب علم تھے تو دوسری طرف غریب اور پچھڑی ذاتوں کے طالب علم۔ ابرار اکیلا طالب علم تھا جو دونوں طرف کے طالب علموں سے ملتا جلتا تھا۔ وہ سمجھا بجھا کر ہمیشہ لڑائی جھگڑے کے فیصلے کروا دیتا۔ اس کی باتوں کو دوسرے طالب علم مان بھی لیتے تھے۔

ابرار کی محنت رنگ لائی اور کلاس میں پھر سے دوستی کا ماحول بن گیا۔ سبھی ایک ہو گئے تھے۔ موہن اندر اندر سلگتا رہتا تھا۔ اسے دھرمیندر اور ابرار سے نفرت تھی۔ وہ ابرار کی باتوں کو ڈھونگ مانتا تھا۔ وہ تو گاندھی جی کو بھی برا بھلا کہتا تھا۔ اس کا ماننا تھا اپنا حق چھیننے سے



ملتا ہے، بھیک مانگنے سے نہیں۔

وقت گذرتا گیا۔ امتحانات ہوئے، ریزلٹ آیا۔ سبھی پاس ہو گئے تھے۔ موہن کے نمبر ابرار سے زیادہ تھے۔ وہ ایک دن کینٹین میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابرار کو وہاں سے گذرتا دیکھ بول پڑا۔

"اوے گاندھی کی اولاد... کہاں جا رہے ہو...؟"

ابرار کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اس لہجے میں گاندھی جی کا نام لینا اسے بہت برا لگتا تھا، مگر وہ اپنے غصے کو پی کر بولا۔

"موہن بھائی... بس لائبریری تک جا رہا تھا..."

"اوہ لائبریری میں تم کیا کرتے رہتے ہو... نمبر تو بڑے کم آئے ہیں۔"

"آج کم آئے ہیں تو کل زیادہ بھی آئیں گے۔"

اور ابرار، موہن سے بچ کر لائبریری کی طرف نکل گیا۔

2 اکتوبر کا دن قریب آ رہا تھا۔ اسکول میں گاندھی کی زندگی پر ایک ڈرامے کی تیاری چل رہی تھی، بچے اپنی اپنی پسند کے رول چن رہے تھے۔ کوئی مولانا آزاد، کوئی نہرو اور پٹیل تو کوئی نیتا جی سبھاش چندر بوس اور چندر شیکھر آزاد کا رول لے رہا تھا۔ گاندھی کا رول کئی سال سے ابرار کرتا آ رہا تھا۔ موہن نے ضد کر لی کہ وہ گاندھی کا کردار کرے گا۔ ابرار کو ڈر تھا کہیں ایسا نہ ہو موہن رول ٹھیک نہ کر پائے۔ گاندھی کا رول اہم تھا۔ مرکزی کردار تھا۔ اسے کسی ٹٹے لڑکے کو دینا ٹھیک نہیں تھا۔ لیکن موہن سے بات کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔

ابرار نے کسی طرح موہن سے بات کی۔

"موہن! مبارک ہو! تم اس بار گاندھی بن رہے ہو..."

"ہاں... اور یہ کوئی ایسا رول نہیں جو صرف تم ہی کر سکو..."

"نہیں... نہیں... میں نے ایسا کب کہا۔ تم یہ رول ادا کر سکتے ہو... میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں گاندھی جی کی زندگی کے بارے میں، ان کے کاموں کے بارے میں بتاؤں گا۔ ان کے بات کرنے کا انداز، چلنے کا انداز... اس سے تمہیں اچھا رول کرنے میں مدد ملے گی..."

"مجھے کسی کی مدد نہیں چاہئے..." موہن کے جواب پر ابرار اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

"میں تمہیں گاندھی بن کر دکھاؤں گا... تم سے اچھا گاندھی بن سکتا ہوں میں۔"

اسکول کا تھیٹر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ڈراما شروع ہو گیا تھا۔



موہن گاندھی بن کر جب اسٹیج پر آیا تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ موہن نے کمال کر دیا تھا۔ چال تو بالکل ہو بہو گاندھی جی کی سی تھی۔ بولنے کا انداز، سمجھانے کا طریقہ سب کچھ لاجواب تھا۔ ایسا لگ رہا تھا موہن، موہن نہیں، موہن داس بھی بن گیا ہے اور کرم چند بھی۔ دوسرے طالب علموں کے رول بھی اچھے تھے۔ لیکن گاندھی کا کردار سب کے ذہنوں پر چپک کر رہ گیا تھا۔ ڈرامے کا آخری سین بہت جذباتی تھا۔ گاندھی جی ایک جلسے میں امن و امان پر تقریر کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک ناراض، غصہ سے بھرا نوجوان جلسے میں آ گیا۔ اس کے تیور ٹھیک نہیں تھے۔ اس غصیلے نوجوان کے کردار میں دھرمیندر تھا۔ اس نے گاندھی کے قریب آ کر گولی چلا دی تھی۔ گولی گاندھی جی کو لگی اور وہ نیچے لڑھک گئے تھے۔ ریوالور اور گولی سب نقلی تھے۔ گاندھی کے نیچے گرتے ہی دھرمیندر ان کی طرف لپکا، اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا ایک چاقو تھا۔ ابرار کی نظر گاندھی پر تھی، اس نے دھرمیندر کے تیور اور چاقو دیکھ لیا تھا۔ اس نے پلک جھپکنے کی بھی دیر نہیں کی۔ دھرمیندر جیسے طاقتور لڑکے کو روکنا اس کے بس میں نہیں تھا اس لیے وہ پھرتی سے گاندھی بنے ہوئے موہن کے اوپر لیٹ گیا۔ دھرمیندر نے پوری قوت سے چاقو چلایا تھا۔ موہن کے بجائے چاقو، ابرار کے پیٹ میں گھس گیا تھا۔ اُدھر گاندھی کو گولی لگنے اور ان کے گرنے کے بعد، ہال تالیوں کی گڑگڑاہٹ سے گونج رہا تھا، شور شرابہ، سیٹیوں کی آوازیں۔ پردہ آہستہ آہستہ گر رہا تھا اور دوسری طرف ایک اور ہی سنگین ڈراما وجود میں آ چکا تھا۔ ابرار کی چیخیں، شور شرابے میں دب کر رہ گئی تھیں۔ موہن نے دھرمیندر کو پکڑ لیا تھا۔ اسٹیج پر لائٹس آن ہو چکی تھیں۔ ابرار کو تڑپتے دیکھ کر، سیکورٹی گارڈ لپکے اور اسے اٹھا کر اسپتال لے گئے۔ موہن دھرمیندر کو چھوڑ کر اسپتال کی طرف لپکا۔ اسپتال میں کہرام مچ گیا تھا۔ اسے فوراً آپریشن تھیٹر لے جایا گیا۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ بچنا مشکل ہے۔ پولیس نے دھرمیندر کو حراست میں لے لیا۔

موہن آپریشن تھیٹر کے باہر ایک طرف سر جھکائے کھڑا تھا۔ اسے کیا پتہ تھا کہ اس نے جس نقلی گاندھی کو نبھا دکھانے کے لیے، دن رات محنت کی تھی اور وہ محنت کامیاب بھی ہوئی تھی... گاندھی بننے کے چیلنج کو اس نے جیت لیا تھا، گولی اسی کو لگی تھی اور وہ اس وقت موت اور زندگی کے بیچ لٹکا ہوا تھا۔ مگر وہ سب نقلی تھا اور ابرار نے موت کو گلے لگانے کا زندہ کردار ادا کر کے اسے ایک بار پھر ہرا دیا تھا۔ اس کے لب ہل رہے تھے۔

"نقلی گاندھی... تم نقلی نہیں... بہت بڑے ہو۔ مجھے یقین ہے تم مرو گے نہیں۔ تمھیں زندہ رہنا ہے۔ ہم سب کے لیے... مجھ جیسوں کے لیے..." ◘

اس کہانی کے لیے استعمال کی گئی پہلی تصویر جناب جیوتی بھوجانی کے فرزند وید بھوجانی کی ہے اور باقی تصویریں احمدآباد میں 2 اکتوبر 2012 کو گاندھی جی کے 143ویں یوم پیدائش پر منعقد ہونے والے 'گاندھی مارچ' کی البم سے لی گئی ہیں جس میں ہزاروں بچوں نے باپو کی شبیہہ بنا کر حصہ لیا تھا

Dr. Aslam Jamshedpuri
HOD, Urdu, CCS University, Meerut-250001 UP

□ ادارہ



دنیا ایک عجائب خانہ



میٹھا 'گولڈ برگر!': برگر تو آپ شوق سے کھاتے ہی ہوں گے۔ اسے دیکھیے۔ شاید آپ اسے دنیا کا سب سے بڑا برگر سمجھ رہے ہوں گے۔ جی نہیں۔ یہ برگر نہیں بلکہ اس سے بھی مزے دار چیز ہے جس کا نام سنتے ہی شرطیہ آپ کے منہ میں پانی آجائے گا۔ تو سنیے۔ یہ برگر نہیں کیک ہے۔ کہیے کیا خیال ہے؟ کھائیں گے؟ مگر یہ سوچ لیجیے بازار میں یہ آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ آپ کو اسی کاغذی کیک پر گزارہ کرنا ہوگا۔ اصلی کیک کھانا ہے تو اس کے لیے امریکی خلائی ایجنسی ناسا سے وابستہ رہ چکیں بیتھن گولڈ برگ صاحبہ سے درخواست کیجیے کیونکہ یہ ان ہی کا ایجاد کیا ہوا کیک ہے اور وہی جانتی ہیں کہ اسے کس طرح تیار کیا جاتا ہے۔ پتہ نہیں اس کیک کا نام انھوں نے کیا رکھا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے نام پر اس کا نام گولڈ برگر رکھ دیں تو ہمارا خیال ہے سبھی کو اچھا لگے گا اور کیا پتہ کیک کا ذائقہ اور بھی بڑھ جائے! بیتھن برگ صاحبہ ہیں تو سائنٹسٹ لیکن شوق انھیں کیک بنانے کا ہے۔ طرح طرح کے کیک اب تک بنا چکی ہیں۔ نیچے نمونے دیکھیے۔



یہ ریکارڈ پلیئر اور سلائی مشین نہیں کیک ہیں۔ انھیں کھایا جاسکتا ہے۔







27 تاروں والا گٹار: عام طور پر دنیا بھر کے موسیقار 12 تاروں والا گٹار استعمال کرتے ہیں۔ لیکن امریکی ریاست ٹینیسی کے ایک موسیقار کیتھ میڈلے نے 27 تاروں والا گٹار بنا کر سب کو حیران کر دیا ہے۔ اس انوکھے گٹار کی خاص بات یہ ہے کہ جب اسے 27 تاروں سے بجایا جاتا ہے تو اس سے نکلنے والے سُر کچھ ایسا تاثر دیتے ہیں جیسے ایک ساتھ کئی ساز بج رہے ہوں۔ میڈلے صاحب اس گٹار کے کامیاب تجربے سے بہت خوش ہیں اور اس کے بعد انھوں نے 34 تاروں والا گٹار بنانے کا کام شروع کر دیا ہے۔



میٹھا شہر: میٹھا برگر تو آپ دیکھ چکے۔ اب میٹھے شہر کی سیر کیجیے۔ شمالی آئرلینڈ کے برجٹن جیمی سن کو شوگر کیوبس کی عمارتیں بنانے کا شوق ہے۔ ہم اور آپ چائے یا کافی میں جو شوگر کیوب استعمال کرتے ہیں ان سے جیمی سن اور ان کے ساتھی مارک ریویلس نہ صرف عمارتیں بلکہ پورے شہر کے ماڈل بنانے میں لگے رہتے ہیں۔ اوپر جو تصویر آپ دیکھ رہے ہیں وہ یونان کے قدیم کھنڈروں کی طرز پر بنائے گئے ماڈل کی ہے۔ اس طرح انھوں نے آئرلینڈ کے کئی شہروں کے ماڈل بنائے ہیں۔ ایک ماڈل کے لیے وہ ایک سے پانچ لاکھ تک شوگر کیوبس استعمال کر لیتے ہیں۔ جلد ہی وہ نیویارک شہر کا ماڈل بنانے کی سوچ رہے ہیں، جس میں نہ جانے کتنے لاکھ شوگر کیوب استعمال ہوں گی۔ لیکن یہ طے ہے کہ جب بھی یہ میٹھا شہر بنے گا تو کئی لوگ چاہیں گے کہ کاش وہ اس میٹھے نیویارک کو پانی میں گھول کر خود بھی چکھیں اور دوسروں کو بھی پلائیں۔



روبوٹ بن کر دیکھیے: ایسے روبوٹ آپ نے صرف فلموں میں دیکھے ہوں گے۔ لیکن جاپانی ماہرین نے ایسا روبوٹ بنایا ہے، جس پر سوار ہو کر آپ خود ایک روبوٹ بن سکتے ہیں۔ اس میں کاک پٹ جیسی جگہ ہے جس میں بیٹھ کر آپ روبوٹ کو کنٹرول کر سکتے ہیں۔ 10 فٹ اونچے اس روبوٹ پر بیٹھ کر آزادی سے سڑکوں پر گھوما جا سکتا ہے۔ حال ہی میں ایک خاتون نے روبوٹ کو چلا کر دکھایا تو سب حیران رہ گئے۔





دولت مندوں کا ہوائی جہاز: یہ ہے بے حد دولت مند تاجروں کے لیے امریکہ میں بنایا گیا سپر سونک جیٹ ہوائی جہاز۔ یہ نہ صرف تیز رفتار ہے بلکہ خوب صورتی میں بھی اپنا کوئی جواب نہیں رکھتا۔ ساڑھے تین کروڑ پونڈ یعنی لگ بھگ 350 کروڑ روپے کی لاگت سے تیار ہونے والے اس پرائیویٹ بزنس جیٹ میں کوئی کھڑکی نہیں ہے۔ دراصل کھڑکی کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس میں ہر طرف ایک بڑی اسکرین لگی ہے جس سے سب کچھ نظر آتا ہے اور اپنی پسند کے ویڈیو اور ٹی وی پروگرام بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس میں 12 سے 18 لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور چونکہ یہ آواز سے بھی تیز رفتار سے اڑنے والا سپر سونک ہوائی جہاز ہے اس لیے یہ کہیں پر بھی بہت کم وقت میں پہنچا سکتا ہے۔



پیار بھری معصومیت: کتے اور بلی میں پتہ نہیں کب سے دشمنی چلی آرہی ہے۔ مگر جس بلڈاگ کو آپ یہاں دیکھ رہے ہیں اس کے نظریات ذرا مختلف ہیں۔ امریکی ریاست نبراسکا کے ایک گھر میں پلنے والے اس بلڈاگ نے جو خود صرف ایک سال کا ہے بلی کے بچوں کو گود لے لیا ہے۔ وہ بالکل ایک سگی ماں کی طرح ان بچوں کی دیکھ ریکھ کرتا ہے۔ بلی کے ننھے بچے بھی اس سے بے حد مانوس ہیں۔ میاں بلڈاگ نہ صرف ان بچوں کے ساتھ کھیلتے ہیں بلکہ پیار بھی جتاتے نظر آتے ہیں۔ پیار بھری اس معصومیت کی ویڈیو آج کل انٹرنیٹ پر خوب دیکھی جارہی ہے۔ آپ بھی چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں۔







مقناطیسی آدمی: ہالی وڈ کی فلم ’آئرن مین‘ Iron Man تو آپ نے دیکھی ہوگی۔ اب ملیے میگنیٹ مین ’Magnet Man‘ سے، جو کوئی خیالی کردار نہیں بلکہ سچ مچ ایک انسان ہے۔ یہ حضرت 56 سال کے ہیں، بوسنیا کے رہنے والے ہیں اور نام ان کا بڑا مشکل سا ہے۔ محب جا بوالجواسط Muhibija Buljubasic۔ پتہ نہیں اردو میں اس کا صحیح املا اور تلفظ کیا ہوگا۔ بہر کیف، قصہ یہ ہے کہ چار پانچ سال پہلے ان صاحب نے محسوس کیا کہ کئی چیزیں ان کے جسم سے چپک جاتی ہیں۔ مثلاً چاقو چھری کانٹے چمچے کف گیر اور کچن کے دوسرے آلات۔ اسی طرح موبائل سیٹ اور ریموٹ کنٹرول بھی ان کے بدن سے چپک جاتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے وہ نہیں جانتے۔ ان کا خیال ہے کہ شاید ان کے جسم سے کچھ شعاعیں نکلتی ہیں جو چیزوں کو چپکا لیتی ہیں۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ان کی جلد یعنی کھال میں کچھ ایسی بات ہے کہ چکنی چیزیں اس سے چپک جاتی ہیں۔ اصل وجہ کیا ہے یہ کوئی نہیں جانتا۔ صرف اتنا صاف ہے کہ کپڑے کے اوپر سے وہ کچھ نہیں چپکا سکتے۔

ہم شکل پانڈا کا جوڑا: یہ ہے وہ ہم شکل پانڈوں کا جوڑا جو ایک سال پہلے 15 جولائی 2013 کو امریکہ میں پیدا ہوا تھا۔ یہ دونوں پانڈا امریکہ کے واحد جڑواں پانڈا ہیں اور اب جب ایک سال کے ہو گئے ہیں تو خوب موج مستی کر کے لوگوں کا دل بہلاتے نظر آتے ہیں۔ پانڈا عموماً صرف چین میں پائے جاتے ہیں اور تعداد میں بہت کم رہ جانے کی وجہ سے انھیں ان جانوروں کی فہرست میں کافی اوپر جگہ دی گئی ہے جن کی نسل ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ▫

زیب النساحیا



قربانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے نبی گزرے ہیں۔ آپ بابل میں پیدا ہوئے اور اس زمانے میں آپ کو نبی بنایا گیا جب بابل میں بت پرستی زوروں پر تھی۔ لوگ خود بت بناتے اور خود ان کی عبادت کرتے اور بتوں کو ہی اپنا رب مانتے تھے۔ کہتے ہیں حضرت ابراہیم کے والد (بعض مسلمانوں کے مطابق چچا) کا نام آزر تھا اور وہ بھی بت بناتے تھے۔ حضرت ابراہیم ابھی چھوٹے تھے کہ وہ دیکھتے کہ خود ان کے والد اور دوسرے لوگ خود ہی مٹی اور لکڑی سے بتوں کو بناتے ہیں اور پھر ان کو رب سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ حیران ہوتے اور سوچنے لگے کتنے نادان ہیں یہ لوگ کہ بے جان بتوں کو رب سمجھ رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم ان لوگوں سے کہتے تم لوگ کیوں ان بتوں کو پوجتے ہو جب یہ تمھیں نہ کوئی فائدہ دے سکتے ہیں نہ نقصان، تو وہ جواب دیتے کہ ہم وہی کر رہے ہیں جو ہمارے باپ دادا کرتے آ رہے ہیں۔

ایک دن شہر کے باہر ایک بڑا میلہ لگا، سبھی لوگ اس میلے میں گئے حضرت ابراہیم نہیں گئے۔ سب کے جانے کے بعد حضرت ابراہیم بڑے بت خانے گئے اور وہاں رکھے سب بتوں کو توڑ ڈالا۔ سوائے ایک سب سے بڑے بت کے۔ اب جس کلہاڑی سے سب بتوں کو توڑا تھا اس کلہاڑی کو آپ نے بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا جس سے یہ لگے کہ باقی سب بت اسی نے توڑے ہیں۔

لوگ جب واپس آئے اور انھوں نے بت ٹوٹے ہوئے دیکھے تو انھیں بہت غصہ آیا سوچنے لگے یہ حرکت کس نے کی ہے۔ ان سب کو حضرت ابراہیم پر شک ہوا کیونکہ وہ میلے میں نہیں گئے تھے۔ ان کو بلا کر پوچھا گیا "یہ بت کس نے توڑے ہیں؟"

حضرت ابراہیم نے جواب دیا "مجھ سے پوچھنے کے بجائے ان بتوں سے پوچھو کہ ان کو کس نے توڑا ہے؟"

لوگوں نے کہا "آپ کو معلوم ہے یہ بول نہیں سکتے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا "پھر تم ایسے بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ دیکھو کلہاڑی بڑے بت کے کندھے پر ہے یہ کام اسی کا معلوم ہوتا ہے، اس سے پوچھو۔" لوگ بہت ناراض ہوئے اور آزر سے شکایت کی کہ حضرت ابراہیم کو سمجھاؤ۔ لیکن حضرت ابراہیم نے والد کو بھی بتوں کی عبادت کرنے سے منع کیا، اور فرمایا "ابا جان میں ڈرتا ہوں کہ آپ پر رب کا کوئی عذاب نازل نہ ہو۔"

والد نے ناراض ہو کر کہا "آئندہ تو نے مجھ سے کوئی ایسی بات کہی تو میں تمھیں سنگسار کر دوں گا۔ تو میرے پاس سے سدا کے لیے چلا جا۔"

حضرت ابراہیم نے انھیں سلام کیا اور کہا "میں چلا جاتا ہوں

لیکن آپ کے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔"

پھر کیا ہوا؟ وہاں کے بادشاہ نمرود کو جو بہت ظالم اور بت پرست تھا ان سب باتوں کا پتہ چلا کہ آزر کا بیٹا لوگوں کو بتوں کی پوجا کرنے سے منع کرتا ہے اور ایک رب کی عبادت کے لیے دعوت دیتا ہے تو اس نے ان کو اپنے دربار میں بلایا اور آپ سے جھگڑنے لگا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا "میرا خدا وہی ہے جو مارتا بھی ہے اور جلاتا بھی ہے۔"

نمرود نے کہا "میں بھی مار سکتا ہوں اور زندگی دے سکتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ایک قیدی کو جس کو سزائے موت کا حکم ہو چکا تھا آزاد کر دیا، اور ایک بے گناہ کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد کہا "کہ اب بتاؤ میرے اور تمہارے خدا کے درمیان کیا فرق ہے۔"



حضرت ابراہیم نے کہا" میرا رب ہر روز سورج مشرق سے نکالتا ہے تم مغرب سے نکال دو۔" اس پر نمرود لاجواب ہو گیا اور حکم دیا کہ حضرت ابراہیم کو زندہ جلا دیا جائے۔ چنانچہ بہت سی لکڑیاں اکٹھی کی گئیں اور ان میں آگ لگا دی گئی۔

جب آگ بہت بھڑک اٹھی تو حضرت ابراہیم کو اس میں پھینک دیا گیا، مگر خدا کے حکم سے وہ آگ ٹھنڈی ہو گئی اور آپ کو آگ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم کو رب نے حکم دیا کہ اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل السلام کو ایسی جگہ چھوڑ آؤ جہاں آبادی نہ ہو۔ آپ نے ویسا ہی کیا اور انھیں وہاں لے گئے جہاں بعد میں شہر مکہ آباد ہوا۔

حضرت اسماعیل جب بہت ہی چھوٹے تھے۔ سخت گرمی میں پیاس سے بے حال ہو گئے۔ حضرت ہاجرہ نے حضرت اسماعیل کو پتھر کے سائے میں لٹایا اور خود پانی کی تلاش میں دوڑنے لگیں۔ رب کی قدرت دیکھیے کہ جہاں حضرت اسماعیل پیاس سے ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا جو آج تک 'زم زم' کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت ہاجرہ جہاں پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں اسے صفا اور مروہ کہتے ہیں۔ حضرت اسماعیل جب کچھ بڑے ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رب کی طرف سے حکم ہوا کہ اپنے بیٹے اسماعیل کو میری راہ میں قربان کر دو۔ جب آپ نے حضرت اسماعیل کو یہ بات بتائی تو حضرت اسماعیل نے کہا: "ابا جان ہمارا رب جو بھی آپ کو حکم دے رہا ہے اسے ضرور پورا کیجیے آپ مجھے خدا کی راہ میں ثابت قدم پائیں گے۔"

حضرت ابراہیم بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے لے کر چلے، اور جنگل میں لے جا کر حضرت اسماعیل کو الٹا لٹا دیا حضرت ابراہیم نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی تاکہ بیٹے کی محبت رب کے حکم پر عمل کرنے سے نہ روک دے اور گلے پر چھری چلا دی۔ تبھی آواز آئی۔ "اے ابراہیم تو نے ہمارے حکم پر عمل کر کے دکھا دیا۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنکھوں سے پٹی کھولی تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل کے بجائے ایک دنبہ ذبح کیا ہوا پڑا تھا۔ اس واقعے کی یاد میں مسلمان ہر سال قربانیاں کرتے ہیں۔

جب حضرت اسماعیل جوان ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل نے مل کر خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کرنا شروع کیا۔

پیارے بچو خانہ کعبہ اسی مکہ شہر میں ہے جہاں ساری دنیا سے لاکھوں مسلمان ہر سال حج کرنے جاتے ہیں اور اس کی طرف منہ کر کے سب مسلمان پانچوں وقت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ ◻

Ms Zaibunnisa Haya C/o Syed Irshad Ali
A-1, 4th Floor MM Apartment near Shiya Masjid, Okhla Vihar
New Delhi - 110025

□ محمد توحید الحق



عید کا دن

مسرتوں کا جو تحفہ ملا ہے عید کے دن
یہ فضل ہم پہ خدا کا ہوا ہے عید کے دن
نمازِ عید بھی سب لوگ کر رہے ہیں ادا
مزہ بھی دیکھئے کیا آ رہا ہے عید کے دن
چہل پہل ہے سحر سے گلی محلوں میں
جہاں بھی دیکھئے میلہ لگا ہے عید کے دن
یہ شیروانی، یہ کرتا، یہ شرٹ، یہ جیکٹ
لباس رنگ برنگا بنا ہے عید کے دن
مکان ہو کہ دکاں ہو، گلی ہو یا بازار
تمام شہر ہی گویا سجا ہے عید کے دن
سب ایک دوجے سے ہنس ہنس کے مل رہے ہیں گلے
نہ کوئی چھوٹا نہ کوئی بڑا ہے عید کے دن
کھلائے ہم کو کلیجی پلاؤ شامی کباب
یہ کام آپ نے اچھا کیا ہے عید کے دن
یہ عید لوٹ کے یارو ہزار بار آئے
سبھی ہر ایک کی دل سے دعا ہے عید کے دن







M Tauheedul Haq Near Municipal Urdu Primary School Ismailpura, Kamptee Distt Nagpur - 441002 Maha.

رونق جمال



عیدی

یہ مضمون توجہ سے پڑھیے اور سمجھنے کی کوشش کیجیے اپنے محترم اور شفیق بزرگوں کی عیدوں کے اُس درد کو... جس کا علاج شاید آپ ہی کر سکتے ہیں

عید اور عیدی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عید آتی ہے تو عیدی بھی آتی ہے۔ مگر اب شاید عیدی کی وہ اہمیت نہیں۔ گزرے زمانے میں بچوں کو روزے نماز سے جوڑنے کے لیے عیدی کا رواج تھا۔ رمضان کا چاند ہوا نہیں کہ ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی بچوں کو دعوت دیا کرتے تھے کہ جو پورے روزے رکھے گا پوری نماز ادا کرے گا اسے وہی عیدی دی جائے گی جو وہ چاہے گا۔ جو آدھے روز رکھے گا اور آدھی نماز ادا کرے گا اسے اتنی عیدی ملے گی اور جو صرف تین روزے رکھے گا اس کو یہ عیدی ملے گی وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال جتنی عمر کے بچے اتنے ہی عیدی کے زمرے۔ بچے عیدی کے لالچ میں زیادہ سے زیادہ روزے رکھنے اور نماز کے پابند بننے کی کوشش کرتے تھے۔ اس طرح بچوں کو روزہ نماز کی عادت ڈالی جاتی تھی۔ اور بچے خود بہ خود مذہب کے قریب ہو جاتے تھے۔ مذہب سے قریب ہو کر وہ دین کی باتیں، شریعت اور فرائض کو بخوبی سمجھ لیتے تھے۔ جو باتیں اساتذہ، مولوی برسوں میں نہیں سکھا پاتے تھے وہ بچے عیدی کے چکر میں صرف ایک مہینے میں سیکھ لیتے تھے۔ پھر دینی علم کچھ ایسا ہے کہ جس نے ایک بار یاد کیا سو عمر بھر کے لیے یاد ہو جاتا ہے۔ بس پھر کیا تھا عید ہوتی اور وعدے کے مطابق عیدی مل جاتی تو عید میں ایک اور عید ہو جاتی۔ خاندان کے بزرگ عید گاہ سے لوٹتے اور گھر بھر کے بچے انھیں عیدی کے لیے گھیر لیتے۔ بزرگ بھی بچوں کی عیدی عیدی کی رٹ کے درمیان اپنے آپ کو بادشاہ تصور کرتے اور بچوں کے جھگڑے، شور غل سے لطف اندوز ہوتے۔ وعدے کے مطابق سب کو عیدی تقسیم کر کے خوش ہوتے اور عیدی کے ساتھ ساتھ شفقت، محبت، دلار اور دعائیں بھی دیتے جاتے۔ گزرے زمانے میں بچے پہلے عیدی حاصل کرنے کے لیے شور غل مچاتے اور عیدی مل جانے کے بعد عیدی ملنے کی خوشی میں شور غل مچا کر گھر کو سر پر اٹھا لیتے تھے۔ بچوں کی مستی میں گھر کے بڑے بزرگ بھی



شامل ہو جاتے۔ جس سے عیدی کا جشن اور بھی پُر لطف ہو جایا کرتا۔

عیدی جیسی بھی ہوتی جتنی بھی ہوتی وہ اپنی جگہ۔ لیکن عیدی بچوں کو تمیز، سلیقہ، اخلاق و محبت بھی سکھاتی تھی۔ رشتوں میں مضبوطی اور خلوص کی چاشنی بھر دیتی تھی۔

اب نہ وہ عید نظر آتی ہیں اور نہ عیدی کا وہ جشن۔ بلکہ نئے زمانے کے بچے تو عیدی کے سلسلے میں کچھ جانتے بھی نہیں۔ جو جانتے ہیں وہ عیدی مانگنا تہذیب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ کیونکہ آج کی ترقی پسند مائیں انھیں پہلے ہی سے سکھا دیتی ہیں۔ ”دیکھو چنو منو اور پپو تم کسی سے کوئی عیدی وغیرہ نہیں مانگنا، عیدی مانگنا بہت خراب لگتا ہے۔ یا عیدی مانگنا بھکاریوں کا کام ہے بچے۔ میں نے تمہارے ڈیڈ سے کہہ دیا ہے وہ تمہیں فلم دیکھنے اور موج مستی کے لیے تمہارا پاکٹ منی ڈبل کر دینے والے ہیں۔“

”مام از گریٹ!“ ترقی پسند بچے بھی اپنی ماں کی بات کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ ماں باپ کی ایسی سیکھ کی وجہ سے عیدی کا جشن ختم سا ہو کر رہ گیا ہے۔ ہم نے عیدی لینے کا لطف تو خوب اٹھایا ہے لیکن عیدی دینے کے مزے سے اب ہمارا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے بچے بھی انگریزی تعلیم کے چکر میں عیدی وغیرہ کے جشن سے بے بہرہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ عیدی ہم سے ضرور وصول کرتے ہیں لیکن روزے رکھ کر یا تراویح ادا کر کے نہیں بلکہ بڑا بیٹا ہر سال رمضان شریف کے آتے ہی راگ الاپنے لگتا ہے ”ڈیڈ! میری موٹر سائیکل کو پورا ایک سال ہو گیا ہے، پچھلے سال عید پر بدلی تھی، اس سال پھر نئے ماڈل آ گئے ہیں، میرے سارے دوستوں نے اپنی اپنی موٹر سائیکل بدل لی ہے۔ کون سی بائیک دلا رہے ہو آپ اس بار مجھے۔“

ہم نہ چاہتے ہوئے بھی اسے نئی موٹر سائیکل دلانے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں۔ نہ دلاؤ تو بیگم سینہ تانے بیٹے کی طرفداری کے لیے کھڑی ہو جاتی ہیں۔

موٹر سائیکل دلاؤ تو عید کے دن بیٹے کے دیدار مشکل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ سارا دن دوستوں کے ساتھ سڑکیں ناپتا رہتا ہے۔ بیٹی



ہے وہ کچھ سنجیدہ قسم کی ہے۔ ماں جو بھی دلا دیتی ہے خاموشی سے رکھ لیتی ہے۔ ماں بے چاری ابھی سے اس کی شادی کی فکر میں ہے اور اسی فکر میں اسے کوئی زیور خرید کر دے دیتی ہے جو اس کے خیال میں شادی کے وقت دینے کے کام آئے گا۔ اتنا بڑا گھر اور ہم چار نفوس عید کے دن عیدی کے جشن کے بغیر گھر سونا سونا سا لگتا ہے۔ نہ شور غل نہ عیدی کے نعرے نہ دھما چوکڑی۔ وقت کے ساتھ ساتھ عید کا طریقہ بھی بدل گیا ہے جس میں عیدی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔

میرا دل اب بھی چاہتا ہے کہ کوئی آئے اور عیدی مانگے۔ عیدی کے لیے بضد ہو جائے۔ میں چند لمحے جھوٹ موٹ نخرے دکھاؤں، اس کی ضد اور بڑھ جائے اور پھر میں بڑی ادا سے اسے عیدی دیدوں جس کے بعد وہ خوش ہو جائے، مجھے سلام کرے اور میں بڑھ کر اسے گلے سے لپٹا لوں۔ میرا گھر، گھر کے در و دیوار عیدی کے نعروں سے گونج اٹھیں... اور یوں میری بھی عید ہو جائے۔

مگر ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ میں اپنے بچپن کی عیدوں کو اور عیدی ملنے کی خوشی کو یاد کر کے پورا دن گذار دیتا ہوں۔ ہائے کیا دن تھے، کیا عیدیں تھیں اور کیا عیدیاں تھیں! ◘

Raunaq Jamal Kainat Street No 9 New Adarsh Nagar Durg - 691001 Chhattees Garh

□ ابرار احمد اعظمی



پیار کی اجرت

عاصم تیرہ سال کا بہت ہی ذہین اور بہت زیادہ سوال کرنے والا طالب علم تھا۔اسے پڑھنے لکھنے اور نئی نئی چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ہر دن وہ اپنے والدین اور ٹیچروں سے نت نئے سوالات کرتا تھا۔عاصم کے ٹیچر بھی اس کے کیوں؟اور کیسے؟ سے کافی پریشان رہتے تھے۔لیکن اس کے ریاضی کے استاد اس کی اس عادت سے نہ صرف بہت خوش تھے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔عاصم کے والد دور شہر میں کام کرتے تھے ہفتے دو ہفتے میں جب وہ گھر واپس آتے تو عاصم ان پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دیتا تھا۔عاصم کے والد بہت ہی اطمینان سے اس کے تمام سوالوں کا جواب دیتے تھے۔

ایک دن عاصم کے ساتھ عجیب واقعہ پیش آیا۔عاصم جب اسکول سے گھر آیا تو اس کی ماں نے کہا،"بیٹا! کھانا کھانے کے بعد دھوبی کی دوکان سے اپنے ابو کے پریس کیے ہوئے کپڑے لے آنا۔" عاصم نے کہا ٹھیک ہے ماں،میں لے آتا ہوں۔یہ کہہ کر وہ دھوبی کی دوکان کی طرف چل پڑا۔

عاصم دھوبی کی دوکان پر گیا تو دھوبی نے عاصم کو کپڑے کے ساتھ کاغذ ایک ٹکڑا بھی دیا۔جس پر لکھا تھا۔

چار پینٹ اجرت =10 روپے۔

چار شرٹ قیمت =10 روپے۔

کل قیمت =40 روپے۔

عاصم نے ماں کے ہاتھوں میں کپڑوں کا بنڈل اور کاغذ کا ٹکڑا

دیتے ہوئے پوچھا، "ماں دھوبی نے یہ کاغذ کا ٹکڑا کیوں دیا؟"

ماں نے سمجھایا، "بیٹا، دھوبی نے اس پر اپنی محنت کی اجرت لکھی ہے۔ جو ہم اسے ادا کریں گے۔"

عاصم کو اجرت لینے کے لیے دھوبی کا یہ طریقہ بہت پسند کیا۔

تھوڑی دیر بعد عاصم گھر کے لیے کچھ سامان خریدنے بازار گیا۔ اس کی نگاہ کھلونے کی ایک دوکان پر پڑی۔ اس نے کھلونوں کی دکان میں ایک خوبصورت ہوائی جہاز دیکھا۔ اس کا دل اس کھلونے کے لیے مچل گیا۔ وہ کھلونے کی دوکان میں داخل ہوا اور پوچھا، "انکل اس ہوائی جہاز کی کیا قیمت ہے؟"



دوکاندار نے جواب دیا، "بیٹا، اس کی قیمت 50 روپے ہے۔"

عاصم کے پاس جہاز خریدنے کو پیسے نہیں تھے۔ اس نے کہا، "انکل میں کل یہ جہاز خریدوں گا۔ کسی دوسرے کو نہ بیچیں۔"

دوکاندار مسکرایا اور اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔ دوکان سے جاتے جاتے بھی عاصم جہاز کو ہی دیکھتا رہا۔

عاصم بازار سے گھر واپس آگیا تھا لیکن اس کا ذہن جہاز میں لگا ہوا تھا۔ گھر کے کسی کام میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ بار بار وہ جہاز اس کی نگاہوں کے سامنے آجاتا تھا۔ وہ رات بھر اس جہاز کے خریدنے کی ترکیبیں سوچتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیسے اتنی بڑی رقم اکٹھا کی جائے۔ اچانک اس کے ذہن میں کاغذ کے اس ٹکڑے کا خیال آیا جس پر دھوبی نے اپنی محنت کی اجرت لکھ رکھی تھی۔ اس نے سوچا کہ پیسہ اکٹھا کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔

دوسرے دن جب عاصم اسکول جانے کے لیے تیار ہوا تو اس نے ایک کاغذ کا ٹکڑا لیا اور اس پر لکھا: بازار سے سبزی خریدکے لانے کے دس روپے، دھوبی کی دوکان سے کپڑا لانے کے بھی دس روپے، گھر کے دوسرے کاموں کے 30 روپے، کل 50 روپے۔ یہ روپے ہر حال میں آج ہی ادا کردیں مجھے ان کی ضرورت ہے۔ عاصم نے کاغذ کے ٹکڑے کو ماں کے کمرے میں رکھ دیا اور اسکول چلا گیا۔

شام کو اسکول سے واپس آتے ہی عاصم اپنی ماں کے کمرے میں گیا۔ میز پر کاغذ کے ٹکڑے کے ساتھ 50 روپے کا نوٹ دیکھ کر وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ عاصم نے نوٹ جیب میں رکھا اور کاغذ اٹھالیا۔ کاغذ کو قریب سے دیکھا تو اس پر کچھ اور ہی عبارت لکھی ہوئی تھی۔

۱۳ سال کی دیکھ بھال اور پرورش کی اجرت = کچھ نہیں۔

تمھارے لیے سیکڑوں راتیں جاگنے کی اجرت = کچھ نہیں

تمہاری تعلیم اور دواؤں کا معاوضہ = کچھ نہیں۔

اس اجرت کو جب کبھی بھی تمہاری مرضی ہو ادا کرسکتے ہو۔

اس تحریر کو پڑھتے ہی عاصم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ وہ ماں کے پاس گیا اور کہا، "ماں، مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے۔ خدا کے لئے مجھے معاف کردو۔ میں آپ کا قرض کبھی ادا نہیں کرپاؤں گا۔ میں کیا دنیا کا کوئی بھی انسان ماں باپ کے قرض اور احسان کا بدلہ نہیں ادا کرسکتا ہے۔ کبھی نہیں! ان کا پیار اور ان کی خدمات انمول ہیں۔ پلیز، مجھے معاف کردیجیے۔"

عاصم نے 50 روپے کا نوٹ جیب سے نکالا اور ماں کو واپس کرنے لگا۔ لیکن ماں نے کہا، "بیٹا، یہ 50 روپے تمہارے ہیں۔ تمھیں ان کی ضرورت ہے۔"

بیٹے کی معصومیت اور شرمندگی کو دیکھ کر ممتا تڑپ اٹھی اور ماں نے اسے سینے سے لگالیا۔ ◘

Abrar Ahmed Azmi
155 Sabarmati Hostel JNU New Delhi-110067

□ رحیم رضا

قلفی والے چاچا



چنو اور منو دو بھائی تھے۔ چنو دوسری جماعت میں پڑھتا تھا اور منو تیسری میں۔ ان کے ابا کی پھلوں کی چھوٹی سی دکان تھی۔ جہاں موسم کے اعتبار سے وہ کیلے، آم اور انگور وغیرہ فروخت کرتے اور امی گھر کے کام نپٹا کر سلائی کڑھائی کا کام کرتی تھیں۔ اس طرح کل ملا کر اتنی آمدنی ہوجاتی کہ گزارا ہوجاتا۔ دونوں میاں بیوی بڑے نیک اور ایمان دار تھے۔ بچوں کو ہمیشہ نیکی، سچائی اور ہمدردی کا سبق پڑھاتے۔ والدین کی نصیحتوں اور ان کی سچائی اور ایمان داری کا اثر بچوں پر بھی تھا۔ دونوں بھائی بڑے سعادت مند تھے۔ کبھی کسی کا دل نہ دکھاتے، بلاناغہ مدرسہ جاتے گھر آکر لکھتے پڑھتے، نہ بری بات کرتے نہ برے بچوں کے ساتھ رہتے۔

اسکول میں بھی دونوں اپنے ٹیچروں کے چہیتے تھے۔ وہ دوسرے بچوں کو ان کی مثالیں دیتے نہ تھکتے۔ اسکول جاتے وقت امی دونوں کو دو دو روپے دیتیں جن سے وہ کبھی چنے، پاپڑ تو کبھی قلفی کھاتے۔ دوسرے بچے زیادہ پیسے لاتے اور خوب دھوم سے خرچ کرتے۔ کبھی کبھی منو کہہ دیتا "امی آپ ہمیں روزانہ دو ہی روپے دیتی ہیں۔ کبھی تو زیادہ پیسے دیا کریں۔ دوسرے بچے کتنی چیزیں کھاتے ہیں۔ کیوں چنو؟" اور چنو گردن ہلا دیتا۔

امی انھیں پیار سے سمجھاتیں "نہیں بیٹے باہر کی چیزیں زیادہ کھانے سے پیٹ خراب ہوجاتا ہے۔ صاف ستھری چیزیں ہی کھانی چاہیے۔ اور تمہارے لیے دو روپے ہی کافی ہیں۔ پھر ہماری آمدنی بھی زیادہ نہیں ہے۔" یہ سن کر منو چپ ہوجاتا۔

وقفہ کے دوران اسکول کے احاطے میں کھانے کی مختلف چیزیں بیچنے والوں کی دکانیں لگتی تھیں۔ دونوں بھائی بھی اپنی اپنی پسند کی چیزیں لے لیتے۔ اس دوران وہاں ایک قلفی والا بھی آجاتا جس سے وہ ایک روپے والی تو کبھی آٹھ آنے والی قلفی لے کر کھاتے۔ ان کی بات چیت کے ڈھنگ اور سلیقے سے وہ بھی خاصا متاثر تھا۔ وہ دونوں کو دیکھ کر مسکرا دیتا اور ان کی پسند کی قلفی دے دیتا۔ وہ دونوں کو اچھی طرح پہچانتا تھا کیوں کہ صرف یہ دونوں بھائی اسے قلفی والے چاچا کہہ کر پکارتے تھے۔ باقی بچے اے قلفی والے بھیا... یا پھر... او قلفی والے کہا کرتے تھے۔

چنو اور منو اکثر قلفی کھاتے ہوئے دیکھتے کہ ان کے اسکول کا ایک لڑکا قلفی والے چاچا کے پاس روزانہ سب سے آخر میں پہنچتا ہے۔ چاچا اسے دیکھتے ہی آٹھ آنے والی قلفی نکال کر دے دیتے۔ وہ کبھی قلفی کے



پیسے نہ دیتا بس چاچا سے ایک دو بات کرتا اور پھر چاچا آگے بڑھ جاتے۔ یہ روز کا معمول تھا۔ چنو اور منو دونوں کو حیرانی اس بات پر تھی کہ قلفی والے چاچا روزانہ اس لڑکے کو آٹھ آنے والی قلفی بغیر مانگے ہی کیوں دے دیتے جب کہ وہ کبھی پیسے بھی نہیں دیتا اور نہ ہی چاچا پیسے مانگتے ہیں۔ آخر ماجرا کیا ہے؟ دونوں نے سوچا کہ ہم اس لڑکے کے ساتھ یا اس کے فوراً بعد قلفی لینے جائیں گے۔ اتفاق سے دو چار دن میں انھیں موقع مل گیا۔ جیسے ہی وہ لڑکا قلفی والے چاچا کی طرف بڑھا چنو اور منو بھی اس کے پیچھے پہنچ گئے۔

قلفی والے چاچا نے لڑکے کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھ کر پوچھا "کیوں بیٹے ٹھیک سے پڑھ رہے ہو نا!"

"جی ہاں" لڑکے نے کہا۔

"بیٹا! اسکول چھوٹتے ہی سیدھے گھر آنا کہیں رکنا نہیں۔"

"جی۔ جی۔" اس نے جواب دیا۔

چنو منو پر نظر پڑتے ہی چاچا نے کہا، "آؤ بچو! آج کیوں دیر لگا دی؟"

"وہ... وہ... چاچا..." چنو اور منو دونوں گڑبڑا گئے۔ دونوں کی نظریں لڑکے کی طرف تھیں۔ چاچا سمجھ گئے۔

"چنو، منو یہ میرا بیٹا حامد ہے جو پہلی جماعت میں پڑھتا ہے۔ ہو سکے تو اسے بھی تم اپنے ساتھ رکھا کرو۔"

"ٹھیک ہے چاچا لیکن یہ آپ کا بیٹا ہے تو پھر آپ اسے وہ پانچ روپے والی قلفی کیوں نہیں دیتے۔ ہمیشہ آٹھ آنے والی ہی کیوں دیتے ہیں؟" چنو نے کہا۔

چاچا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ مسکراتے ہوئے ہی وہ بولے، "تو اس میں کیا برائی ہے بیٹا۔ کئی بچے آٹھ آنے والی ہی قلفی کھاتے ہیں اور پھر کبھی کبھی تم بھی تو وہی لیتے ہو نا۔"

"وہ تو ہم اس لیے لیتے ہیں کہ امی ہمیشہ دو دو روپے ہی دیتی ہیں کھانے کو۔ کوئی دوسری چیز لے لیں تو قلفی کے لیے آٹھ آنے ہی بچتے ہیں۔ امی کہتی ہیں ہماری آمدنی کم ہے۔" منو نے بتایا۔

"بالکل ٹھیک، میری آمدنی بھی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ روزانہ حامد کو پانچ دس روپے کھانے کو دوں؟ اور پھر وہ گھر جا کر ایک دو قلفی کھا ہی لیتا ہے کیوں بیٹے؟"

"جی ابا" حامد نے جلدی سے کہا۔ "آج مجھے گھر پر پانچ روپے والی قلفی دینا..."

حامد کی معصوم فرمائش پر سب ہنس پڑے۔

"دیکھو بیٹے! یہاں کچھ بچے ایسے بھی ہوں گے جو ایک روپیہ ہی لاتے ہوں گے یا وہ بھی نہیں۔ ہمیں اپنے والدین کی آمدنی اور گھر کے حالات کے مطابق خرچ کی عادت ڈالنی چاہیے۔ فضول خرچی سے بچنا چاہیے۔ اس طرح تم اپنے ماں باپ کے کام ہی آؤ گے۔ ان کے کام کو ترقی ملے گی... اچھا چلو بھائی... آج کافی دیر ہو گئی بہت سا مال ابھی باقی پڑا ہے۔"

چنو منو حامد کو ساتھ لے کر اسکول کی طرف لوٹ گئے۔ اس دن کے بعد سے منو نے امی سے زیادہ پیسوں کی ضد نہیں کی۔ جب بھی اس کے دل میں ایسا خیال آتا قلفی والے چاچا کی باتیں اسے یاد آ جاتیں اور اسے یوں لگتا جیسے زیادہ پیسے نہ مانگ کر وہ ابا اور امی کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹا رہا ہے۔ ■

Rahim Raza Bayewal Distt Jalgaon - 425301 Maha.

□ ثوبیہ اختر رومانی



جھوٹ کا سچ

ایک تھا راجا۔ بہت رحم دل اور انصاف پسند۔ وہ عالموں اور عقل مندوں کی بہت عزت کرتا تھا۔ اس کے دربار میں اسے ہی جگہ ملتی جو اپنی عقل مندی کا ثبوت دیتا تھا۔

ایک دن راج دربار میں ایک اجنبی حاضر ہوا۔ اس نے بتایا کہ وہ بہت دور سے آیا ہے اور راجا کے دربار میں وزیر بن کر ملک و قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔ راجا نے کہا۔ ”لیکن تم میں کیا خوبی ہے جو تمھیں وزیروں میں شامل کیا جائے؟“

اجنبی نے کہا۔ ”مہاراج، میرا نام جھوٹ مل ہے۔ میں ایسا جھوٹ بول سکتا ہوں کہ اسے کوئی سچ ثابت نہیں کرسکتا۔“

”اچھا؟“ راجا نے حیرت سے کہا۔ پھر راجا نے اس کا امتحان لینے کی غرض سے کہا۔ ”ٹھیک ہے، اگر تم کوئی ایسا جھوٹ بولو جس کو ہمارے درباری سچ ثابت نہ کرسکے تو ہم تمھیں وزیر بنالیں گے۔“

”ٹھیک ہے مہاراج!“ جھوٹ مل نے کہا۔ پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ”مہاراج! میں نے ایک دن دیکھا کہ بیس گدھوں کا ایک قافلہ جا رہا تھا۔ اچانک بارش ہونے لگی اور سبھی گدھے جل کر مر گئے۔“

راجا چونک کر جھوٹ مل کی طرف دیکھنے لگا۔ بھلا بارش سے جل کر کوئی کیسے مرسکتا ہے۔ آگ لگنے پر اسے پانی سے ہی بجھایا جاتا ہے لیکن یہاں تو سبھی گدھے پانی سے ہی جل کر مر گئے۔ واقعی اتنا بڑا جھوٹ کبھی نہ سنا تھا۔ راجا نے اپنے درباریوں کی طرف اس طرح دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو ”کوئی ایسا ہے جو اس جھوٹ کو سچ ثابت کردے۔“

لیکن سبھی وزیروں کے منھ لٹکے ہوئے تھے۔ راجا نے وعدے کے مطابق جھوٹ مل کو بھی اپنے وزیروں میں شامل کرلیا۔

کچھ دنوں کے بعد اس کی خواہش ہوئی کہ جھوٹ مل سے کوئی اور جھوٹ سنا جائے۔ اس لیے اس نے بھرے دربار میں اس سے کہا۔ "جھوٹ مل، آج تم کوئی اور جھوٹ سناؤ۔"

جھوٹ مل نے کہا۔ "مہاراج، کچھ دنوں پہلے میں نے جنگل میں ایک شکاری کو دیکھا، جس نے ایک ہرن پر ایک تیر چلایا۔ اس تیر سے ہرن کی ایک ٹانگ اور ایک کان گھائل ہو گئے۔"

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟" راجا نے حیرانی سے کہا۔ "ایک تیر سے ہرن کو دو جگہ کیسے چوٹ لگے گی؟ ایک تیر سے تو ایک ہی جگہ چوٹ لگنا ممکن ہے۔"

"مہاراج، آپ شاید بھول رہے ہیں... میں آپ کے حکم پر جھوٹ بول رہا ہوں۔"

"اچھا... اچھا!" راجا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ "اچھا کوئی اور جھوٹ سناؤ۔"

"مہاراج، کل میں نے آسمان میں ایک ایسا پرندہ اڑتا ہوا دیکھا جس کے سر پر دو پیر تھے۔"

راجا نے حیرت سے درباریوں کی طرف دیکھا۔ لیکن اس جھوٹ کو بھی کوئی سچ ثابت نہیں کر سکا۔

بہت دنوں کے بعد ایک اور اجنبی راجا کے دربار میں نوکری کے مقصد سے پہنچا۔ راجا نے اس کی بھی خوبیوں کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا۔ "میرا نام سچ سین ہے۔ میں بڑے سے بڑے جھوٹ کو سچ بنا دیتا ہوں۔"

"واہ!" راجا کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا۔

اس کے دربار میں ایسے ہی آدمی کی کمی تھی۔ راجا نے سوچا بڑے کام کا آدمی آیا ہے۔ لیکن بغیر امتحان کے اس آدمی کی سچائی کا پتہ کیسے چلتا؟ اس لیے راجا نے جھوٹ مل کے پہلے جھوٹ کو بتا کر سچ ثابت کرنے کو کہا۔

سچ سین نے فوراً کہا۔ "یہ کون سی مشکل بات ہے مہاراج! ان گدھوں پر بوریوں میں کچا چونا لدا ہوا تھا۔ پانی پڑتے ہی چونا کھدکھدا



گیا۔ اس لیے گدھے جل کر مر گئے۔"

"واہ... واہ!... بہت خوب!" راجا اور سارے درباری اس کی تعریف کرنے لگے۔

پھر راجا نے دوسرے جھوٹ کے بارے میں بتا کر پوچھا۔ "اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"یہ بھی سچ بات ہے مہاراج، دراصل وہ ہرن اپنی پچھلی ٹانگ سے اپنا کان کھجا رہا تھا۔" سچ سین نے دوسرے جھوٹ کو بھی سچ بنا دیا۔

"اچھا، یہ بتاؤ کیا تم نے ایسا پرندہ دیکھا ہے جس کے سر پر دو پیر ہوتے ہیں۔"

"جی ہاں مہاراج! سبھی پرندوں کے سر اور پر یعنی پنکھ اور دو پیر ہوتے ہیں۔"

"ہاں ہاں.... واقعی یہ تو سامنے کی بات ہے۔" راجا اور سارے درباری بول اٹھے۔

راجا سچ سین کے جواب سے اتنا خوش ہوا کہ اٹھ کر اس کو گلے سے لگا لیا اور اسے بھی وزیروں میں شامل کر لیا۔ □

Tanweer Akhtar Roomani
Place and PO Azadnagar, Jamshedpur - 831012 Jharkhand

اشفاق انجم



جاپانی سنگ تراش

جاپانی کہانی کا فارسی سے ترجمہ

ایک غریب جاپانی سنگ تراش روزانہ پہاڑ سے پتھر توڑتا لیکن اتنی سخت محنت ومشقت کے باوجود اسے معمولی سی اجرت ملتی۔ وہ اپنے سخت تھکا دینے والے کام سے خوش نہیں تھا۔

ایک دن اس نے بڑی ہی عاجزی سے کہا، "پروردگار! کیا ہی اچھا ہو کہ تو مجھے بھی دولت مند بنا دے، تاکہ میں بھی ایک خوبصورت بنگلے میں عیش و آرام کی زندگی گزار سکوں!"

اچانک آسمان سے ایک فرشتہ اترا اور بولا: "تیری دعا قبول ہوئی!"

جلد ہی سنگ تراش دولت مند ہو گیا اور ایک خوب صورت سے بنگلے میں عیش و آرام کی زندگی گزارنے لگا۔

ایک دن ملک کے بادشاہ کی سواری اس کے بنگلے کے سامنے سے گزری۔ وہ چاندی کی بگھی پر سوار تھا اس کے سر پہ سنہری چتر تھا جس کے ریشمی پردے دھوپ سے اس کی حفاظت کر رہے تھے، اس کے آگے پیچھے گھڑسواروں اور شاہی ملازمین کی فوج چل رہی تھی جن کے زرق برق لباسوں کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

ایسے شاندار شاہی جلوس کو دیکھ کر اس کے دل میں بھی ایسی ہی شان و شوکت کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس نے ایک آہ بھری اور کہا: "کاش میں بادشاہ ہوتا!"

فرشتہ دوبارہ زمین پر اترا اور بولا: "تیری خواہش پوری ہوئی؟" سنگ تراش بادشاہ بن گیا۔ اس کے جلوس میں بھی آگے





پیچھے سپاہیوں اور ملازمین کی فوج قطار باندھے چلتی، اس کے سر پر بھی سنہرا ریشمی چتر دھوپ سے اس کی حفاظت کرتا۔

گرمی کا موسم آگیا، زمین سورج کی تپش سے جلنے لگی، باغوں میں پھول، پتے، سبزے جل گئے یہ دیکھ کر وہ افسردہ ہو گیا۔ گرمی کی شدت سے اس کا بھی برا حال تھا، اس نے حسرت سے آہ بھری: ''اے کاش! میں سورج ہو جاؤں!''

فرشتہ آسمان سے اترا اور بولا: ''سورج ہو جا!''

وہ سورج ہو گیا اور اوپر پہنچے، دائیں بائیں ہر طرف آگ برسانے لگا۔ اس کی گرم گرم کرنوں نے ہرے بھرے باغوں اور سبزہ زاروں کو جلا دیا، انسانوں کے بدن جھلسنے لگے، چرند پرند پیاس سے بے حال ہو گئے۔

اچانک ایک بادل کا ٹکڑا اس کے اور زمین کے درمیان آگیا اور اس کی کرنوں کے جلتے ہوئے تیروں کو زمین تک پہنچنے سے روک دیا۔ اسے بڑا غصہ آیا کہ یہ ننھا سا ابر کا ٹکڑا مجھ سے



زیادہ طاقت ور کیسے ہو گیا؟'' اس نے بے حد اداسی کے عالم میں آہ بھری اور کہا: ''اے کاش! میں ابر ہوتا!''

فرشتہ پھر آسمان سے آیا اور بولا: ''جیسا چاہتا ہے ہو جا!''

جب وہ بادل بن گیا تو اتراتا ہوا زمین اور سورج کے درمیان اڑنے لگا اور اس نے سورج کی کرنوں کے جلتے تیروں کو اپنی خنکی سے ٹھنڈا کر دیا۔

اچانک ٹھنڈی ٹھنڈی مست ہوائیں چلنے لگیں اور وہ بارش کے قطروں میں تبدیل ہو کر زمین پر برسنے لگا۔ باغ بغیچے دوبارہ سرسبز و شاداب ہو گئے۔ دریاؤں میں زبردست سیلاب آگیا۔ کھیتیاں تباہ اور فصلیں خراب ہو گئیں۔ لیکن ایک چٹان تھی جو سیلاب کی موجوں کے زبردست تھپیڑے کھانے کے باوجود سینہ تانے کھڑی تھی اس میں ذرا سی بھی جنبش نہیں ہوئی۔

وہ پھر غصے میں آگیا اور سوچنے لگا کیا وہ اس معمولی سی



چٹان سے بھی کمزور ہے!؟ اس نے ناراض ہو کر فریاد کی: ''یہ چٹان تو قوت میں مجھ سے بھی بڑھ کر ہے! میں چٹان بننا چاہتا ہوں!''

فرشتے نے اس بار بھی حاضر ہو کر کہا: ''جو چاہتا ہے ہو جا!''

وہ ایک مضبوط چٹان میں تبدیل ہو گیا۔ آندھی، طوفان، سورج، سیلاب سبھی کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑا رہتا۔ ایک دن ایک غریب مزدور اپنے اوزاروں کے ساتھ وہاں آدھمکا اور اس پر پل پڑا یہاں تک کہ اس کے جسم سے کئی ٹکڑے الگ کر دیے۔ اسے پھر غصہ آگیا کہ یہ کون ہے جو مجھ سے بھی زیادہ طاقت ور ہے!؟

وہ مایوس اور اداس ہو گیا اور ایک سرد آہ بھر کر کہنے لگا: ''کاش! میں بھی اس کی طرح ہوتا!''



فرشتہ پھر آیا اور بولا: ''اس کی طرح ہو جا!''

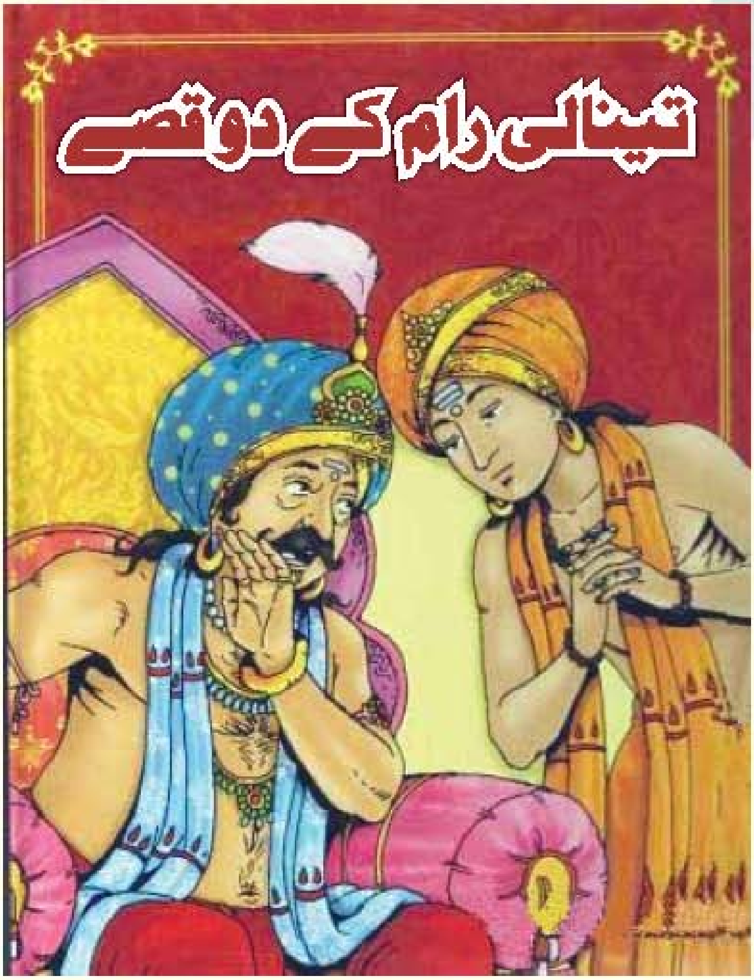
وہ ایک بار پھر سنگ تراش ہو گیا۔

اگرچہ پتھر توڑنا بڑا مشکل کام تھا۔
سنگ تراش اب بھی بہت تکلیفیں سہتا تھا۔
لیکن خوش رہتا تھا۔ ◻

Dr Aahfaque Anjum 881/10, Nayapura, Malegaon - 423203 Maharashtra

ریحانہ خاتون

تینالی رام کے دو قصے



جس طرح اکبر بادشاہ کے دربار میں بیربل ایک مشہور وزیر تھے اسی طرح جنوبی ہندوستان کے راجا کرشن دیو رائے کے دربار میں تینالی رام ایک عقل مند وزیر کے طور پر جانے جاتے تھے۔ وہ بڑے حاضر جواب، معاملہ فہم، چالاک، نڈر، بے باک اور عوام کے خیر خواہ تھے۔ پیش ہیں ان کے دو دل چسپ قصے۔

سچ یا جھوٹ

راجا کرشن دیو رائے کے درباری تینالی رام سے بہت جلتے تھے۔ وہ ہر وقت انھیں کسی نہ کسی مشکل میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ راجا کرشن دیو رائے کا مسئلہ یہ تھا کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ درباریوں کے بہکاوے میں آجاتے تھے۔

ایک دن درباریوں نے راجا سے کہا۔ "مہاراج، آپ نے تینالی رام کو بہت چھوٹ دے رکھی ہے۔ وہ خود کو دربار کا سب سے ہوشیار شخص سمجھتا ہے... آپ سے بھی زیادہ۔"

راجا نے کہا۔ "اچھا، اگر ایسا ہے تو بلاؤ تینالی رام کو۔"

تینالی رام کو راجا کے سامنے حاضر دیکھ کر ان کی مخالفت کرنے والے درباری خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے اب پتا چلے گا بچّو کو۔

راجا نے کہا۔ "تینالی رام، تم خود کو بہت ہوشیار سمجھتے ہو نا۔ آج ہم تمھارا امتحان لیں گے۔"

تینالی رام بولے۔ "جی حضور، جیسا آپ چاہیں۔"

راجا نے کہا۔ "امتحان بہت آسان ہے۔ تم ایک ہی جملہ بول سکتے ہو۔ اگر وہ سچ ہوا تو تمھارا سر تلوار سے قلم کر دیا جائے گا۔ اور اگر تم نے جھوٹ کہا تو تمھیں پھانسی کی سزا دی جائے گی۔"

اب تو درباری بھی الجھن میں پڑ گئے۔ جو تینالی رام کو پسند کرتے تھے، وہ فکر مند تھے۔ انھیں لگا کہ اب تینالی رام کا بچنا مشکل ہے۔ تینالی رام سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انھوں نے کچھ دیر کا وقت راجا سے مانگا۔ سارے دربار میں خاموشی چھائی تھی۔ تھوڑی دیر بعد تینالی رام نے اپنا جملہ کہا۔ "مہاراج، آپ مجھے پھانسی دینے والے ہیں۔"

یہ جملہ سنتا تھا کہ وزیرِ اعظم، جو تینالی رام کو بے حد پسند کرتے

تھے، خوشی سے اچھل پڑے۔ بولے۔ "مہاراج، آپ پھنس گئے۔ تینالی رام نے کہا کہ آپ انھیں پھانسی دینے والے ہیں۔ اگر آپ نے کہا کہ یہ جھوٹ ہے تو تینالی رام کو پھانسی دینی ہوگی۔ اگر ایسا کیا تو ان کی بات سچی ہوگی اور آپ کو ان کا سر تلوار سے کاٹنا ہوگا۔ اب سر پہلے کاٹنا ہے یا پھانسی پہلے دینی ہے، یہ کیسے طے ہوگا۔"

راجا کرشن دیورائے چکرا گئے۔ وہ تینالی رام کی چالاکی کے ایک بار پھر قائل ہو گئے۔ انھوں نے تینالی رام کو خوب شاباشی دی۔

بھٹکتی روح

ایک بار کسی بات سے ناراض ہو کر راجا کرشن دیورائے نے تینالی رام کو موت کی سزا دے دی اور سپاہیوں سے کہا کہ انھیں فوراً پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ یہ بات پورے شہر میں پھیل گئی۔ لوگوں کو ان کی موت کا بے حد افسوس ہوا۔ کچھ کمزور عقیدے کے لوگوں نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ برہمن کی آتما بھٹکتی رہتی ہے اور چونکہ تینالی رام برہمن ہیں اس لیے ان کی آتما بھی بھوت بن کر بھٹکتی پھر رہی ہے۔



لیکن حقیقت کچھ اور تھی۔ تینالی رام دراصل زندہ تھے اور گھر میں چھپے ہوئے تھے۔ اُدھر آتما کے بھٹکنے والی باتوں پر یقین کر کے راجا نے پنڈتوں کو پوجا کرنے کا حکم دے دیا تاکہ تینالی رام کی آتما کو سکون ملے۔ پوجا برگد کے اس پیڑ کے نیچے کی جاتی تھی، جہاں مجرموں کو سزائے موت دی جاتی تھی۔ یہ خبر تینالی رام تک پہنچ گئی۔ وہ بھوت کا بھیس بنا کر برگد کے پیڑ پر جا بیٹھے۔ رات میں پنڈتوں نے پوجا شروع کی۔ وہ جلدی جلدی منتر پڑھ کر گھر جانا چاہتے تھے۔ منتر پڑھ کر انھوں نے ان کی روح کو پکارا۔ "اے تینالی رام کی بھٹکتی آتما!"

انھیں جواب ملا۔ "آئی۔"

یہ سن کر پنڈتوں کی سٹی پٹی گم ہو گئی۔ انھیں اس بات کی بالکل امید نہیں تھی۔ دراصل وہ لوگ تو راجا سے کچھ پیسے اینٹھنا چاہتے تھے۔

جیسے ہی تینالی رام پیڑ سے کودے سارے پنڈت ان کی بھیانک صورت دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ راجا نے جب سنا تو کہا۔ "جو اس آتما سے نجات دلائے گا اسے ایک ہزار سونے کی اشرفیاں دی جائیں گی۔"

اعلان کے تین دن بعد ایک بوڑھا سادھو دربار میں آیا۔ اس نے کہا۔ "مہاراج، میں آتما سے نجات دلا سکتا ہوں لیکن آپ کو مجھے منھ مانگی چیز دینی ہوگی۔"

راجا نے کہا۔ "ٹھیک ہے... نجات دلائیے۔"

سادھو بولا۔ "میری ترکیب یہ ہے کہ اگر برہمن کو زندہ کر دیا جائے تو اس کی آتما بھٹکنا چھوڑ دے گی۔"

راجا نے پوچھا۔ "تو کیا آپ تینالی رام کو زندہ کر سکتے ہیں؟"

سادھو نے کہا۔ "بالکل کر سکتا ہوں، بس آپ کو اپنا وعدہ یاد رکھنا ہوگا۔"

"ایسا ہو سکے تو اور کیا چاہیے۔" راجا نے کہا۔

"تو مہاراج پھر دیکھیے میرا چمتکار۔" یہ کہہ کر سادھو نے نقلی داڑھی اور مونچھ اتار دی۔ تینالی رام راجا کے سامنے کھڑے تھے۔

تینالی رام نے کہا۔ "مہاراج، آپ نے مجھے مانگی چیز دینے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ ان سپاہیوں کو معاف کر دیجیے جنھیں آپ نے مجھے مارنے کے لیے بھیجا تھا، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔"

"ٹھیک ہے سپاہیوں کو معاف کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی اپنی بھٹکتی آتما سے نجات دلانے پر تمھیں ایک ہزار سونے کی اشرفیوں کی تھیلی بھی دی جاتی ہے۔" یہ کہہ کر راجا نے زوردار قہقہہ لگایا جس پر سارا دربار قہقہوں سے گونج اٹھا۔ □

Mrs. Rehana Khatoon 59, Chuna Shah Colony, P.O. Azadnagar, Mango, Jamshedpur-831012.

□ محمد کاشف غلام ربانی

ڈیڈی جی اک ڈبہ لائے



ڈیڈی جی ایک ڈبہ لائے
دیکھ کے سب بچے چکرائے

میں نے بھی ڈیڈی سے پوچھا
ڈیڈی بتلاؤ یہ ہے کیا
وہ بولے یہ ہے کمپیوٹر
علم کا ہے یہ ایک سمندر

نئے دور کی شان بھی ہے
سائنس بھی ہے جان بھی ہے
ساری دنیا اس کے اندر
پربت دریا اس کے اندر

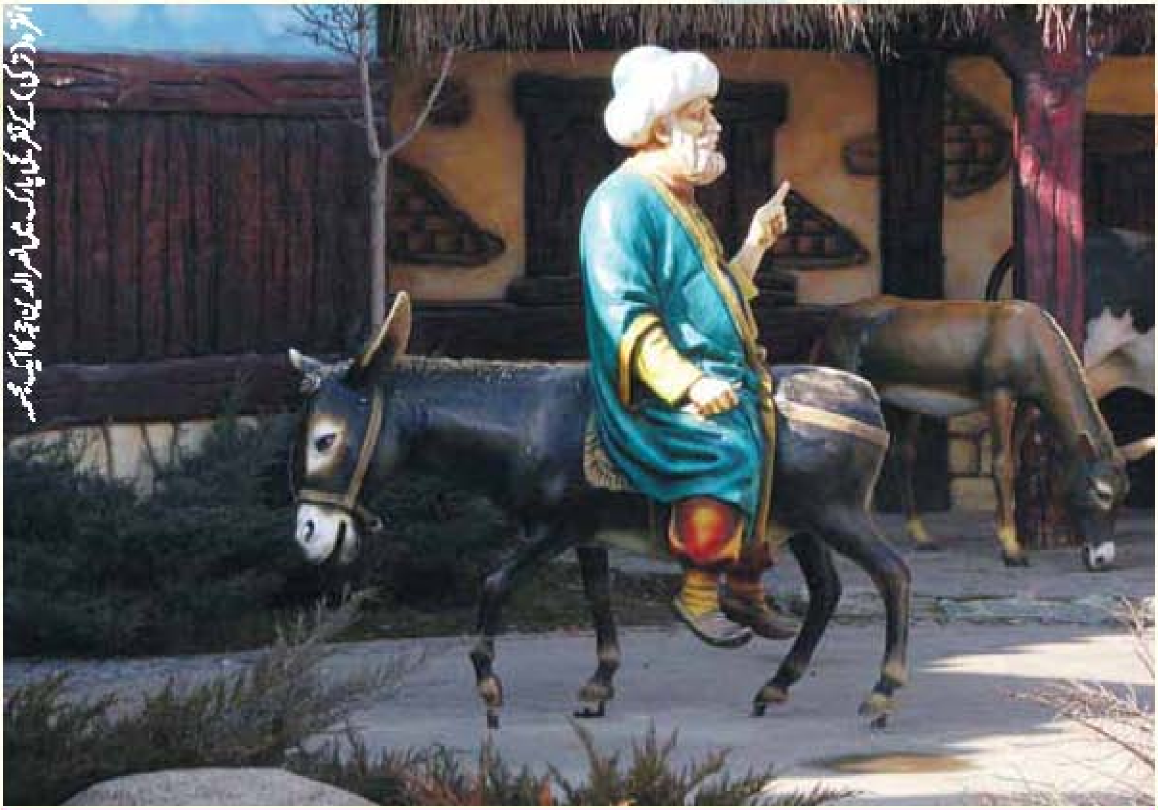
کھیلوں کی بھی بات ہیں اس میں
کام کی معلومات ہے اس میں
اس کے زیادہ پاس نہ رہنا
ڈیڈی کا ہے یہ بھی کہنا



اس کے ہیں کچھ برے اثر بھی
ہوتی ہے کمزور نظر بھی
انسانوں کی نیند اڑائے
بستر پر کروٹیں دلائے
اس کا پورا فیض اٹھانا
نقصانات سے دور ہی جانا

Mohd Kashif Ghulam Rabbani Akbar Chowk Gali No:2 Plot 3201 Dhule424001 Mah.

□ مشتاق اعظمی



انقرہ (ترکی) کے تفریحی پارک میں نصرالدین حجہ کا ایک مجسمہ

نصیرالدین حجہ کی باتیں

بچو! اس مزے دار مضمون میں جن شگفتہ مزاج صوفی قلندر اور منسوڑ بزرگ نصیرالدین حجہ کا ذکر پروفیسر مشتاق اعظمی نے کیا ہے وہ دراصل ہم اردو والوں کے وہی ملا نصرالدین ہیں جنھیں ترکی میں نصرالدین خواجہ، فارسی میں خواجہ نصرالدین، عربی میں نصرالدین جحاء، ازبکستان میں نوصری دین خجہ/حوجا، بوسنیا میں نصرالدین حوضہ، البانیا میں نسترادین حوشا/نسترادیی اور رومانیہ میں نسترائین ہوجیا کہتے ہیں۔ مگر خیر نام جو بھی ہو ان سے منسوب ہزاروں واقعات، لطیفے اور مزے دار قصے پورے وسط ایشیا میں لوگوں کو زبانی یاد ہیں۔ ملا نصرالدین کی باتوں میں سمجھداری کے جو نکتے چھپے ہوتے ہیں وہ دلوں پر گہرا اثر کرتے کے ساتھ ہنس مکھ بننے کی سیکھ بھی دیتے ہیں۔ اعزازی مدیر

جو لوگ شگفتہ مزاج ہیں وہ اپنی محفلوں میں لطیفوں کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ شیخ چلی، لال بجھکو، ملا دو پیازہ اور بیربل ایسے کردار ہیں جو مزاح اور ظرافت کی مجلسوں میں بلا روک ٹوک پہنچا کرتے ہیں۔ ان کی بدحواسیاں قیاس آرائیاں، حماقتیں اور ذہانتیں آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے لوگوں کو ہنسنے ہنسانے کا موقع دے رہی ہیں۔ اس وقت میں آپ کو ملک ترکستان کے نصیرالدین حجہ نامی ایک ایسے شخص سے

ملانا چاہتا ہوں جو اپنے مزاج اور اپنی خصلتوں کے اعتبار سے ہمارے ملک کے ان کرداروں سے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، کافی حد تک مشابہت رکھتا ہے۔

نصیر الدین حجہ کی پیدائش 1208 میں اور وفات 1284 میں بتائی جاتی ہے۔ ترکی میں حجہ کے مدرسے کے دنوں کی یہ روایت عام ہے کہ ان کے استاد نے ایک بھیڑ پال رکھی تھی جو انہیں بہت عزیز تھی۔ ایک دن مدرسے کے دو شریر طالب علموں نے موقع پا کر اس بھیڑ کو ذبح کر ڈالا اور پکا کر چٹ کر گئے۔ اس واقعے سے استاد کو شدید رنج پہنچا۔ انہوں نے جلد ہی ان طالب علموں کے نام معلوم کر لیے جنہوں نے یہ غلط حرکت کی تھی۔ ان لڑکوں میں سے ایک نے بھیڑ کو ذبح کیا تھا اور دوسرے نے اسے پکایا تھا، استاد نے پوچھا ”کیا نصیر الدین حجہ بھی اس میں شریک تھا؟“

لڑکوں نے جواب دیا ”تھا تو سہی۔ لیکن اسی حد تک کہ وہ یہ منظر دیکھتا رہا اور ہنستا رہا۔“

اب استاد نے دکھے دل سے بد دعا دی کہ ”جس نے اس بھیڑ کو ذبح کیا وہ بھی خود ذبح کیا جائے گا۔ جس نے اسے بھونا اور پکایا کسی دن اسے بھی کوئی بھون ڈالے گا اور جو اس درد ناک منظر پر ہنستا رہا اس پر ساری دنیا ہنسے گی اور قہقہے لگائے گی۔“

کہتے ہیں کہ استاد کی یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی۔ کچھ ہی مدت کے بعد دونوں طالب علم شدید تباہی اور بربادی سے دوچار ہوئے البتہ نصیر الدین حجہ پر اس پیشین گوئی کا اثر کچھ مختلف ڈھنگ سے ہوا۔ بجائے اس کے کہ دنیا والے اس پر ہنستے وہ اپنے ساتھ دنیا کے لوگوں کو ہنسا رہا ہے، گدگدا رہا ہے اور انہیں اپنے غموں کا بوجھ اٹھانے کے قابل بنا رہا ہے۔ اس تمہید کے بعد اب آپ حجہ کے لطیفے پڑھیے۔

سورج سے چاند بڑا

نصیر الدین حجہ سے کسی نے پوچھا ”سورج اور چاند میں ہمارے لیے کون سا زیادہ کارآمد ہے؟“

”بلاشبہ چاند!“ حجہ نے جواب دیا۔ سورج تو دن کے وقت نکلتا ہے، لیکن چاند رات میں نکلتا ہے جب تاریکی کے سبب ہمیں روشنی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔“

یہ بھی صحیح ہے

نصیر الدین حجہ کو ایک مقدمے کا ثالث مقرر کیا گیا۔ حجہ نے پہلے فریق کا بیان سنا اور کہا ”یہ صحیح ہے۔“ اس کے بعد دوسرے شخص کا بیان سنا اور کہا ”یہ بھی درست ہے۔“ حاضرین میں سے ایک شخص سے نہ رہا گیا اور اس نے آہستہ سے پوچھا ”حجہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ دونوں کا بیان صحیح اور درست ہونا غیر ممکن بات ہے۔“

نصیر الدین حجہ نے اطمینان سے جواب دیا ”یہ بھی صحیح ہے۔“



گھوڑے کی دم

ایک شخص اپنے گھوڑے کی لمبی دم تراش کر چھوٹی کرنا چاہتا تھا۔ اس نے نصیر الدین حجہ سے مشورتاً پوچھا کہ ”دم کے بالوں کو کس قدر تراشنا مناسب رہے گا۔“

حجہ نے جواب دیا ”تم کتنا بھی تراش دو دیکھنے والوں کا اعتراض بہر حال قائم رہے گا، کچھ لوگ کہیں گے کہ دم زیادہ چھوٹی ہو گئی ہے جب کہ بعض لوگ یہ بتائیں گے کہ تم نے دم کم تراشی ہے۔“

صراحی ٹوٹنے سے پہلے

نصیر الدین نے اپنے بیٹے کو صراحی دے کر جھرنے سے پانی لانے کو کہا اور تاکید کی کہ صراحی نہ ٹوٹنے پائے۔ اس کے ساتھ ہی ایک

بھرپور تھپڑ اس کے گال پر جڑ دیا۔ ایک شخص جو پاس ہی کھڑا تھا، تعجب سے بولا: ''جحہ! تمہارے بچے نے صراحی تو ابھی توڑی نہیں پھر اسے تھپڑ رسید کرنے کی وجہ؟''

''تمہارا کہنا بجا۔ لیکن صراحی ٹوٹنے کے بعد اسے مارنے سے کیا فائدہ ہوتا؟'' جحہ نے جواب دیا۔

پرانا مردہ

نصیرالدین جحہ نے ایک بار اپنے دوستوں سے کہا'' جب میں مرجاؤں تو مجھے کسی پرانی قبر میں دفن کردینا۔''

جحہ کے دوست سوالیہ نگاہوں سے اس کا منہ تکنے لگے تو اس نے اپنی بات کی یوں تشریح کی'' تاکہ حساب لینے والے فرشتے اول تو میری قبر کی طرف توجہ ہی نہ دیں اور بالفرض وہ آ بھی جائیں تو میں کہہ دوں گا کہ میں ایک پرانا مردہ ہوں اور اپنا حساب دے چکا ہوں۔''

بیٹھ جائیں

ایک شخص کو کسی محفل میں پہلی بار تقریر کرنے کے لیے کھڑا کیا گیا۔ مجمع کا رعب اس پر اس طرح چھا گیا کہ وہ خاموش کھڑا رہا۔ بڑی مشکل سے اس نے کانپتی ہوئی آواز میں صرف اتنا کہا ''دیکھیے میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں کیا بولوں۔''

''کیا یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ بیٹھ جائیں؟'' مجمع میں موجود نصیرالدین جحہ نے فوراً جملہ چست کیا۔

بلی کہاں ہے؟

ایک صبح نصیرالدین جحہ نے اپنی بیوی کو تین سیر گوشت کا ایک ٹکڑا لاکر دیا اور ہدایت کی کہ وہ اسے رات کے کھانے کے لیے تیار کرے۔ اس کے بعد وہ رات میں آنے کا وعدہ کرکے کہیں چلا گیا۔ اتفاقاً اسی دن دوپہر میں بیوی کی کچھ سہیلیاں آگئیں اور ان کی ضیافت کرنے میں سارا گوشت ختم ہوگیا۔ رات میں جحہ گھر لوٹا تو اسے شدید بھوک لگی ہوئی تھی۔ اس نے بیوی سے پوچھا'' گوشت تیار ہوگیا۔'' بیوی نے ڈر سے جھوٹ بولا'' برا ہو کم بخت بلی کا وہ سارا گوشت کھا گئی۔'' جحہ غصے کی حالت میں بلی کو پکڑ لایا اور اسے ترازو پر تولا تو وہ بھی پورے تین سیر نکلی۔ جحہ کا غصہ اور بھی تیز ہوگیا اور اس نے بیوی سے سوال کیا:

''اگر یہ بلی ہے تو گوشت کہاں ہے اور اگر یہ گوشت ہے تو بلی کہاں گئی؟''

حمام کی اجرت

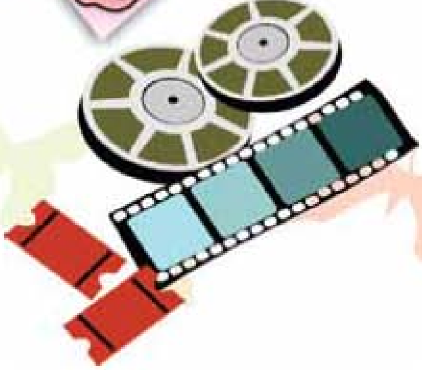
نصیرالدین جحہ کا گزر ایک بار کسی نئے قصبے میں ہوا جہاں کے لوگ اس سے ناواقف تھے۔ وہ معمولی کپڑے پہنے ہوئے ایک حمام خانے میں نہانے کے لیے گیا۔ حمام کے ملازموں نے جحہ پر کوئی خاص توجہ نہ دی اور نہانے کے لیے اسے پھٹا ہوا پرانا تولیہ اور معمولی صابن کا ایک ٹکڑا دیا۔ جحہ نے غسل سے فارغ ہوکر ملازموں کو بخشش کے طور پر سونے کا ایک ایک قیمتی سکہ دیا۔ دوسری دفعہ وہ پھر اسی حمام میں نہانے کے لیے پہنچا۔ اس بار بھی وہ معمولی ہی کپڑوں میں تھا لیکن حمام کے ملازموں نے اس بار اس پر خاص توجہ دی۔ وہ بڑی خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ غسل کرنے کے لیے نیا اور صاف تولیہ اور عمدہ خوشبودار صابن دیا لیکن جحہ نے غسل سے فراغت پانے کے بعد ملازمین کو تانبے کے انتہائی معمولی سکے دیے اور ان کے خاموش احتجاج کے جواب میں کہا'' پچھلی دفعہ جو سکے دیے گئے تھے وہ تمھارے آج کے سلوک کا معاوضہ تھا اور ابھی جو سکے تمھیں ملے ہیں وہ تمھارے پچھلے برتاؤ کی اجرت ہے۔'' □



جحہ سے متعلق معلومات سفارت خانہ ترکی کے کتابچے سے لی گئی ہے

Prof Mustaque Azmi
25. G.C. Mitra Road, Asansol - 713301 West Bengal

پیروڈی



□ اسد رضا

ایک طالبِ فلم کی دعا



روحِ اقبال سے معذرت کے ساتھ

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی ایکٹر کی صورت ہو خدایا میری

دور میک اپ سے یہ چہرے کا اندھیرا ہوجائے
ہر جگہ میرے پہنچنے سے اجالا ہوجائے

فلم میں ایسی ہو میرے بدن کی زینت
جس طرح سیف سے ہے فلمی چمن کی زینت

امتحاں میں مجھے ملتا ہے اگرچہ زیرو
میں نے سمجھا ہے مگر خود کو ہمیشہ ہیرو

فلم کی شمع* کا میں چھوٹا سا پروانہ ہوں
ڈانٹ کر کہتے ہیں پاپا مجھے دیوانہ ہوں

ہو مرا کام ستاروں کی ہی خدمت کرنا
جتنی ہیروئنیں ہیں سب سے محبت کرنا

میرے اللہ پڑھائی سے بچانا مجھ کو
ایکٹنگ کی ہی فقط رہ پہ چلانا مجھ کو

کیریئر ہو مرا سلمان کی صورت یارب
کیٹرینا بھی کرے مجھ سے محبت یارب

* اپنے زمانے کا سب سے مشہور فلمی رسالہ ماہنامہ شمع دہلی

Asad Raza 97 Sector-7, DDA Flats, Jasola, New Delhi-110025

راحت روشن



چیونٹیاں ہی چیونٹیاں!

"ممی دیکھو دیکھو میرے بستر پر کتنی ساری چیونٹیاں... یہ مجھے کھا جائیں گی۔" بچے نے اپنے بستر پر ایک ساتھ اتنی چیونٹیوں کو چلتے دیکھا تو چلایا اور دوڑ کر اپنی ممی سے چپٹ گیا۔

اس طرح چیونٹیوں کا ہم میں سے ہر ایک کا کبھی نہ کبھی واسطہ پڑا ہوگا۔ ایک دفعہ میرا بھی ایک چیونٹی سے سابقہ پڑ گیا۔ ہوا یوں کہ میں اپنا ہوم ورک کر رہا تھا، میری نظر دیوار پر پڑی تو دیکھا چیونٹیوں کی ایک لمبی قطار تیز رفتار سے چلی جارہی ہے۔ ہر چیونٹی پر جلدی سوار تھی۔ اتنے میں ایک چیونٹی راستہ بھول کر میری کاپی پر چڑھ آئی جس پر میں سائنس کا ایکسپیریمنٹ لکھ رہا تھا۔ مجھے لگا وہ بھی کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں نے اپنی نگاہیں اور کان اُس چیونٹی کی طرف لگا دیے۔ وہ بار بار کاپی کا چکر لگاتی اور ایک جگہ آ کر رُک جاتی۔ مجھے اس کی اس طرح کی حرکت پر ہنسی آگئی۔ ایسا لگا میری یہ ہنسی اُس کو ناگوار گزری اور وہ تیزی سے میری کاپی سے اتر کر جانے لگی۔ میں نے اُس کا پیچھا جاری رکھا۔ ایک مرتبہ وہ چیونٹی پیچھے مڑی ایسا لگا مجھ سے کچھ کہہ رہی ہو۔ پھر سیدھی چل پڑی میں بھی اُس کے پیچھے ہولیا۔ مجھے اس طرح پیچھے چلتا دیکھ کر وہ پھر مڑی مجھے پھر ایسا لگا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہہ رہی ہو۔ آخر میں مجھے شرارت سوجھی اور میں نے اس کا راستہ روک لیا۔



اس نے منہ اُٹھا کر دیکھا پھر چلنے کے لیے مڑی۔ اب میں نے دوسری طرف سے اس کا راستہ روک لیا۔ پھر اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے اس نے مجھ سے کہا ہو: "کیا بات ہے تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔" میں ہمت کر کے بولا۔



"پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"یہ تم ایک لمبی سیدھی قطار میں کس طرح چل لیتی ہو؟"

"ہم راستہ میں ایک دوسرے کی بو سے اپنا راستہ پہچانتی ہیں۔"

"تمہاری عمر کتنی ہوتی ہے؟"

"ہماری اوسط عمر 40 سے 60 دن ہوتی ہے۔"

"تم کتنا تیز چل لیتی ہو؟"

"یوں سمجھو اگر ہم انسان کے سائز کی ہوتیں تو ہم ریس کورس کے گھوڑے کی رفتار سے دوڑ سکتیں۔"

"تم اتنی تیز رفتار کیسے حاصل کر لیتی ہو؟"

"ہماری چھ ٹانگیں ہوتی ہیں جن سے ہم اتنا تیز دوڑ لیتی ہیں۔"

"میں نے کبھی کبھی تم میں سے کچھ کو اُن کے وجود سے بھی زیادہ بڑی چیزیں لے جاتے ہوئے دیکھا ہے، آخر تم کتنا وزن اُٹھا سکتی ہو؟"

"ہم اپنے وزن سے بیس گنا زیادہ وزن اٹھا سکتی ہیں اور اپنے بھاری بھرکم شکار کو لمبا فاصلہ بغیر رُکے طے کر کے اپنے گھر میں لے جاتی ہیں۔ اگر میں تم جیسی ہوتی اور مجھ اتنی ہی طاقت ملتی جتنی اب ہے تو میں تم جیسے بیس آدمیوں کو سر پر اٹھا دوڑ سکتی تھی!"

کیا تم دیکھ بھی سکتی ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں ہماری بھی دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ اور ہماری ہر آنکھ کئی چھوٹی آنکھوں سے مل کر بنتی ہے۔"

"میں نے سنا ہے تمہارا گھر بہت سلیقہ کا ہوتا ہے کیا تم سچ مچ اتنی عقل مند ہو؟"



"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ ہمارے دماغ میں 2,50,000 (ڈھائی لاکھ) سیل ہوتے ہیں۔ انسان کے دماغ میں دس ہزار بلین یعنی دس ارب سیل ہوتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ ہماری پوری کالونی مل کر ایک انسانی دماغ کے برابر دماغ

رکھتی ہے۔"

"تمھاری کالونی میں کتنی چیونٹیاں ہوتی ہیں؟"

"جنوبی امریکہ میں چیونٹی کی ایک کالونی میں سات لاکھ تک چیونٹیاں ہوتی ہیں۔"

میں اتنی بڑی تعداد سن کر بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ اتنے میں کسی نٹ کھٹ چیونٹی نے میرے ہاتھ میں کاٹ لیا اور میرے ہاتھ سے قلم چھوٹ گیا، اور ٹھیک اسی چیونٹی پر جا پڑا کہ جس سے میں انٹرویو لے رہا تھا، اُس نے موقع پر ہی دم توڑ دیا۔ اس طرح چیونٹی سے میرا یہ انٹرویو ادھورا رہ گیا۔



چیونٹی کی حادثاتی موت کے سبب انٹرویو کے ادھورے رہ جانے کا مجھے بہت افسوس ہوا۔ چنانچہ میں اِس کی تلافی کی فکر میں تھا کہ ایک موقع مجھے جلد ہی ہاتھ آ گیا۔ ایک روز میں ایک تالاب کے کنارے کھڑا مچھلیوں کو تیرتے اور اِدھر سے اُدھر بھاگتے دیکھ رہا تھا کہ اچانک میں نے دیکھا ایک چیونٹی پانی میں گر گئی اور باہر نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہی ہے۔ میں نے جھٹ اُسے باہر نکال لیا اور اپنی ہتھیلی پر بٹھا لیا۔ اُس نے تشکر آمیز نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں، یہ تو میرا فرض تھا۔ اب میں نے اُسے نیچے زمین پر اتار دیا۔ اُس نے کچھ اس انداز سے چلنا شروع کیا جیسے کہ مجھے بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دے رہی ہو۔ میں اُس کا اشارہ سمجھ کر اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ چلتے چلتے وہ ایک سوراخ کے آگے رک گئی۔ میں سمجھ گیا یہ اُس کا گھر ہے۔ میں بھی کسی نہ کسی طرح اُس کے پیچھے اُس سوراخ میں داخل ہو گیا۔

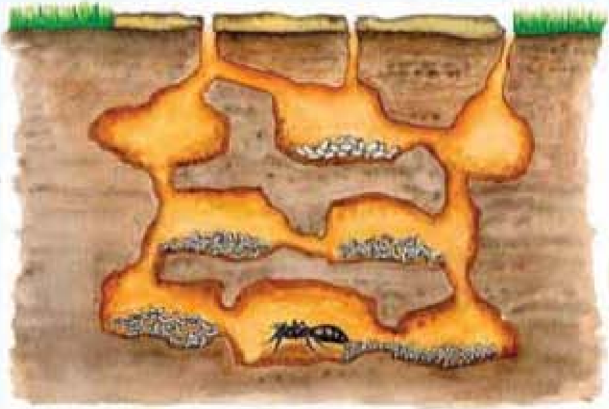
جوں ہی ہم اندر داخل ہوئے چیونٹیوں کی ایک فوج ہماری طرف بڑھی۔ وہ خوشی سے جھوم رہی تھیں۔ ان کے درمیان ایک کافی بڑی چیونٹی تھی جو کچھ بھی نہیں کر رہی تھی۔

کچھ نے جلدی سے اُس چیونٹی کو چاٹنا شروع کر دیا۔ معلوم ہوا وہ اُس کی صفائی کر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد بھید کھلا کہ وہ چیونٹی اُن کی رانی تھی۔ اور دیگر چیونٹیاں اُس کی خادم۔ پھر وہ چیونٹی مجھے اپنی کالونی دکھانے لے گئی۔ ایک جگہ کھانے پینے کا اسٹاک تھا۔ ایک جگہ کچن بنا بھی بنا ہوا تھا۔ اور ایک جگہ کچھ پانی رکھا تھا جس سے میں سمجھا یہ اُن کا غسل خانہ تھا۔ پھر ایک کمرہ ذرا آرام دہ تھا۔ معلوم ہوا وہ رانی کے لیے انڈے دینے کی جگہ تھی۔ کچھ کھلی جگہ بھی تھی، جس میں غالباً چیونٹی رانی ہوا خوری کرتی تھی۔ ایک آرام کا کمرہ بھی تھا۔ میں نے دیکھا کہ نوکر چیونٹیاں مختلف کاموں میں لگی ہوئی ہیں۔

جب کچھ اُس ماحول کا عادی ہوا تو میں نے اپنے ذہن میں اُٹھ رہے سوال اپنی میزبان کے سامنے رکھے۔



میں: آپ غالباً یہاں کی رانی ہیں؟... ان پر حکومت کرنے کے علاوہ آپ کا خاص کام کیا ہے؟



چیونٹی رانی: میرا خاص کام انڈے دینا ہے۔

میں: کیا آپ کے علاوہ بھی دوسری چیونٹیاں بھی یہ کام کرتی ہیں؟

چیونٹی رانی: ہاں کیوں نہیں، کچھ کالونی میں ایک سے زیادہ رانیاں بھی ہوتی ہیں۔

میں: آپ کا محل کہاں ہوتا ہے؟

چیونٹی رانی: ہم عام طور پر زمین میں گہرائی اور محفوظ جگہوں پر رہتی ہیں جسے آپ ہمارا گھونسلہ کہہ سکتے ہیں۔

میں: یہاں کی تمام چیونٹیاں کیا آپ کی نوکرانیاں ہیں؟

چیونٹی رانی: مادہ چیونٹیاں نوکرانیوں کا کام کرتی ہیں جب کہ کچھ نر چیونٹیاں بھی ہوتی ہیں۔

میں: میں نے سنا ہے کچھ چیونٹیوں کے پر بھی ہوتے ہیں؟

چیونٹی رانی: ہاں! نر چیونٹیوں کے پر ہوتے ہیں۔ لیکن ایک دفعہ اُن کے ساتھ میل کے بعد ہم اُن کے پر نوچ کر پھینک دیتی ہیں اور وہ جلدی مر جاتے ہیں۔



میں: آپ اپنے انڈے بچوں کی دیکھ بھال کس طرح کرتی ہیں؟

چیونٹی رانی: ہم چیونٹیاں سماجی طور پر بہت باشعور ہوتی ہیں اور مل جل کر سوسائٹی میں رہنا پسند کرتی ہیں۔ ہماری نوکرانیاں (نوکر چیونٹیاں) لاروا کی دیکھ بھال کرتی ہیں اُن کو غذا پہنچاتی ہیں اور اُن کو نہلاتی دھلاتی بھی ہیں۔

میں: کیا آپ کے یہاں کام بھی تقسیم کر دیے جاتے ہیں؟

چیونٹی رانی: ہاں کچھ نوکر چیونٹیاں شکار مار کر لاتی ہیں، کچھ دشمنوں سے ہمارے گھروں کی حفاظت کرتی ہیں۔ ہماری ہر کالونی کی ایک علاحدہ خوشبو ہوتی ہے۔ اس لیے صرف ایک مخصوص بو والی چیونٹیاں ہی ایک کالونی میں رہتی ہیں۔ یہ محافظ چیونٹیاں اس بو سے اپنی اور باہری چیونٹیوں میں فرق کرلیتی ہیں۔

میں: تم لوگ آپس میں کس طرح باتیں کرتی ہو؟

چیونٹی رانی: ہم ایک دوسرے سے منہ ملا کر خاص قسم کے اشارے دیتی ہیں۔ اسی ذریعہ سے ایک دوسرے کو سمت اور کھانے کی جگہ کی اطلاع پہنچتی ہے اور دشمن کی موجودگی کا پتہ بھی چلتا ہے۔

میں: تمھاری مرغوب

غذا کیا ہے؟

چیونٹی رانی: ہم چیونٹیاں یوں تو سب کچھ کھا لیتی ہیں لیکن کیڑے مکوڑے، ٹڈے اور بچھوے ہماری پسندیدہ غذا ہیں۔



میں: تم انھیں کس طرح حاصل کرتی ہو؟

چیونٹی رانی: جیسے ہی کوئی شکاری چیونٹی کسی شکار کو دیکھتی ہے وہ اس کی طرف دوڑتی ہے اور اس پر فوراً حملہ کر دیتی ہے۔ اگر شکار زیادہ طاقت ور ہوتا ہے اور مقابلہ کرتا ہے تو دوسری شکاری چیونٹیاں بھی اس پر حملہ آور ہو جاتی ہیں۔

میں: پھر اس شکار کا تم کیا کرتی ہو؟

چیونٹی رانی: مرے ہوئے شکار کو ہم اپنے گھونسلے میں لے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے ٹڈوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا ہے اور اسٹور میں رکھ دیا جاتا ہے۔ مردہ چڑیاں چھپکلیاں کاکروچ وغیرہ ہم سب اٹھا لاتے ہیں۔



میں: بڑے شکار کو تم کیسے اپنے بل میں لے جاتی ہو؟

چیونٹی رانی: لال چیونٹیاں مری ہوئی چھپکلیوں اور چوہوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں مدد کرتی ہیں۔

میں: تم اپنے مکان کس چیز سے بناتی ہو؟

چیونٹی رانی: مٹی اور لعاب کے مکسچر سے ہم اپنے مکان بناتے ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے مزید مکان بنا دیے جاتے ہیں۔ ہمارے مکان میں مختلف کمرے اور راہ داریاں ہوتی ہیں۔ ان راہ داریوں کے ذریعے لاروا، پیوپا کو ایک سے دوسرے کمرے میں موسم کی ضرورت کے لحاظ سے منتقل کیا جاتا ہے۔

میں: اچھا!... تو کیا موسم کے لحاظ سے الگ الگ کمرے ہوتے ہیں؟

چیونٹی رانی: ہاں بھئی! گرمی کے موسم میں ہم نچلی منزل میں چلے جاتے ہیں اور سردی کے موسم میں اوپری منزل کو اپنی قیام گاہ بناتے ہیں تاکہ دھوپ کی گرمی حاصل کی جا سکے۔ اناج کھانے والی چیونٹیاں اوپر کی منزل میں اپنے لیے بیج اور اناج اکٹھا کرتی ہیں۔ ہم صاف ستھرے ماحول میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ اس لیے مزدور چیونٹیاں گندگی کو آرام گاہ سے باہر نکال کر ایک الگ جگہ اکٹھا کر دیتی ہیں۔

میں: تم لوگ تو بہت سلیقے سے زندگی گزارتی ہو۔

چیونٹی رانی: (خوشی سے) compliments کے لیے شکریہ۔ حقیقت میں ہماری کالونیاں دنیا میں بہترین منظم تعمیرات ہوتی ہیں۔

میں: شکریہ!... بہت بہت شکریہ رانی صاحبہ، اچھا اب میں چلوں گا۔ مجھے ابھی اسکول کا ہوم ورک کرنا ہے۔

چیونٹی رانی: خدا حافظ۔

میں: خدا حافظ۔

□

Rahat Ravish1235 Gali Mahal sarai, Haveli Hassamuddin Haider, Ballimaran, Delhi-110006

کلثوم کشفی

مچھر کا فسانہ



ہے ذات اس کی چھوٹی لیکن ڈرے زمانہ
آؤ سنائیں تم کو مچھر کا یہ فسانہ



کچرے کا ڈھیر مسکن پانی تھما ہوا ہے
چاروں طرف ہی سکہ اس کا جما ہوا ہے
ہر ایک دور بھاگے ہر اک ڈرا ہوا ہے
بیمار پڑ نہ جائے خطرہ لگا ہوا ہے

انساں کا خون پینا ہے اس کے آب و دانہ
آؤ سنائیں تم کو مچھر کا یہ فسانہ



اڑ کر لگائے چکر اور خوب ہی ستائے
جتنا اسے بھگاؤ اتنا قریب آئے
موقع سے فائدہ یہ بھرپور یوں اٹھائے
چوکی نظر ذرا سی فوراً یہ کاٹ کھائے

چوسے لہو ہمارا اڑ اڑ کر گائے گانا
آؤ سنائیں تم کو مچھر کا یہ فسانہ



ہو شام کا اندھیرا یا دن کا ہو اجالا
ان مچھروں نے ہم کو مشکل میں ایسا ڈالا
کرکے ملیریا کا ہر سمت بول بالا
ڈینگو کو عام کرکے کتنوں کو مار ڈالا

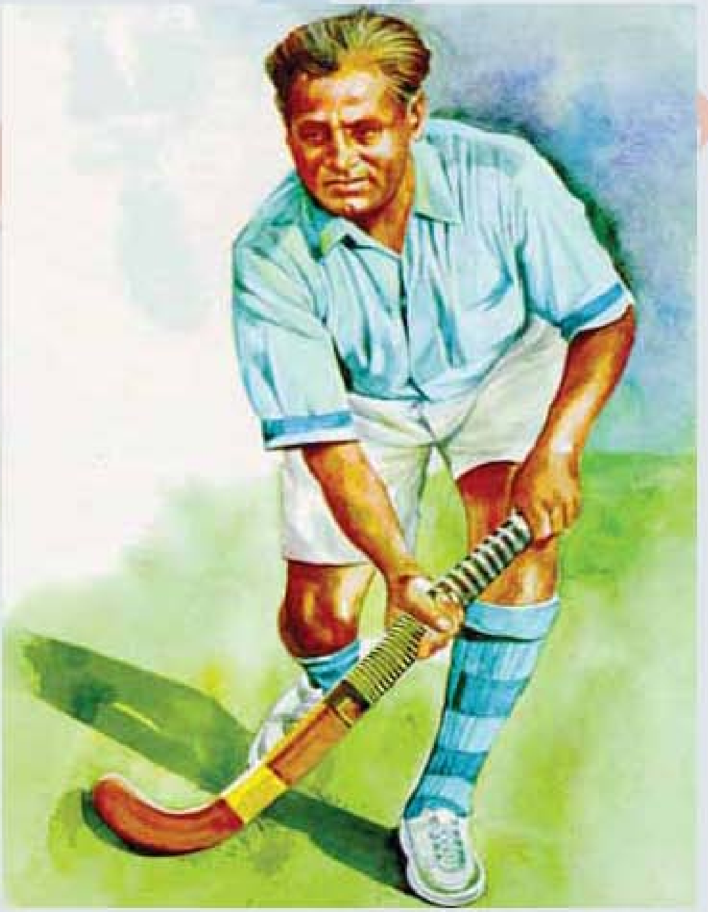
کرنے نہ دو گھروں میں تم ان کو آشیانہ
آؤ سنائیں تم کو مچھر کا یہ فسانہ

Kulsum Bano Ansari Kashfi 22/G/05 Shivaji Nagar Govandi Mumbai - 400043

راشد جمال فاروقی

ہاکی کے جادوگر

میجر دھیان چند



بچو! ہمارے عظیم ملک کی شان دوبالا کرنے والوں میں کئی مشہور سائنس داں، شاعر، ادیب، پینٹر، سیاست داں، صنعت کار اور سماجی کارکنوں کے نام ہم اکثر سنتے اور بولتے چلے آئے ہیں۔ اپنے اپنے مخصوص میدانوں کے ان ماہرین نے ہمارے ملک کو ترقی، خوش حالی اور نیک نامی کی راہ دکھائی تو ملک نے بھی ان کی صلاحیتوں کو سراہا۔ ایسے بہت سے معزز ناموں میں سے آج ہم کھیل کے میدان کے سورما میجر دھیان چند کا ذکر کریں گے۔ تم سچن تیندولکر، کپل دیو، ثانیہ مرزا، سائنا نہوال جیسے اور بھی بہت سے ناموں کے واقف ہوں گے، ان لوگوں نے اپنی ان تھک محنت لگن اور مسلسل مشق سے مختلف کھیلوں کی دنیا میں اپنا مقام بنایا اور ہمارا نام اونچا کیا ہے۔

ہاکی ہمارا قومی کھیل ہے۔ اس کھیل کو معراج تک پہنچانے والے عظیم کھلاڑی میجر دھیان چند 29 اگست 1905 کو الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں ان کا نام دھیان سنگھ تھا۔ پرائمری اسکول میں ان کے ایک استاد پنکج گپتا نے دھیان سنگھ کی خداداد صلاحیتوں کو پہچانا اور ان کی لگن اور محنت کو دیکھتے ہوئے یہ پیش گوئی کی کہ ایک دن دھیان سنگھ کا نام چاند کی طرح روشن ہوگا اور یہ لڑکا ملک و قوم کا نام پوری دنیا میں پھیلائے گا۔ اس دن سے ماسٹر پنکج گپتا انھیں دھیان چاند کہہ کر پکارنے لگے اور دھیرے دھیرے دھیان چاند دھیان چند میں بدل گیا۔ دھیان چند کو بچپن سے ہی کھیلنے کودنے کا شوق تھا لیکن کشتی ان کی پہلی پسند تھی۔ دھیان چند کے والد فوج میں صوبے دار تھے۔ وہ اپنے بیٹے کے کھیلنے

کودنے کے شوق کو بڑھاوا دیتے تھے۔ ایک دھیان چند اپنے والد کے ہمراہ ہاکی میچ دیکھنے گئے۔ میچ کے آغاز میں ہی ایک ٹیم دوسری پر حاوی ہوگئی۔ حاوی ٹیم نے ایک کے بعد ایک کرکے دو گول کر دیے۔ دھیان چند کو ہاری ہوئی ٹیم سے ہمدردی ہوئی۔ انھوں نے اپنے والد سے اجازت مانگی کہ اس کمزور ٹیم میں جاکر کھیل سکیں۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا لیکن ایک فوجی افسر کی سفارش پر انھیں اس کی اجازت مل گئی۔ دھیان چند نے بڑی سوجھ بوجھ سے کھیلا اور مخالف ٹیم پر چار گول داغ دیے۔

یہ ہاکی سے دھیان چند کا پہلا تعارف تھا۔ اس کے بعد انھوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ جس فوجی افسر نے انھیں ہاکی کھیلنے کی اجازت دی تھی اسی نے محض 16 سال کی عمر میں دھیان چند کو فوج میں بھرتی کرا دیا۔ فوج میں رہتے ہوئے بھی وہ ہاکی کھیلتے رہے۔ انھیں ہاکی کا جادوگر کہا جانے لگا۔ چار سال کے بعد انھیں ہندوستانی ہاکی ٹیم کے ساتھ نیوزی لینڈ جانے کا موقع ملا۔ اپنے اس دورے میں انھوں نے اپنے بہترین کھیل کا مظاہرہ کرکے دنیا بھر کی توجہ حاصل کرلی۔ 1928 کے اولمپک کھیلوں میں حصہ لینے ہماری بھارتی ٹیم ایمسٹرڈیم پہنچی اور دھیان چند کے حیرت انگیز کارناموں کی بدولت اس سال ہم نے گولڈ میڈل جیتا۔ یہ ہندوستانی ہاکی کی تاریخ میں ایک انتہائی اہم اور سنہرا دن تھا۔ لیکن میجر دھیان چند تھکنے ہارنے اور بیٹھے رہنے والوں میں سے نہیں تھے۔ انھوں نے مشق جاری رکھی اور جب 1936 میں جرمنی کے شہر برلن میں اولمپک کھیل منعقد ہوئے تو ایک بار پھر بھارتی ٹیم میجر دھیان چند کی سربراہی میں وہاں ہاکی کھیلنے پہنچی، اور ایک بار پھر گولڈ میڈل جیتنے کا اعزاز ہماری ٹیم کو ملا۔ اس بار کے اولمپک کو دیکھنے والوں میں جرمنی کا حاکم ہٹلر بھی موجود تھا۔ ہٹلر کو اپنی قوم اور اپنی فوج اور اپنی کھیل ٹیموں پر بڑا فخر تھا۔ اسے یقین تھا کہ جرمن قوم ہارنے کے لیے نہیں جیتنے اور راج کرنے کے لیے ہی پیدا ہوئی ہے۔ لیکن میجر دھیان چند نے ہٹلر کے سامنے ہی اس کی ٹیم کی جم کر دھنائی کر ڈالی۔ ہٹلر ان کا کھیل دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ اس نے دھیان چند کو بہت لالچ دے کر اپنے یہاں روکنا چاہا، لیکن یہ جیالا نوجوان جو اپنے ملک سے بے پناہ محبت کرتا تھا اسے وہاں رکنا گوارا نہیں



ہاکی کا جادوگر: مشہور مصور امول شاکر کی بنائی ہوئی پینٹنگ

ہوا، اور تمام پیش کشوں کو ٹھکرا کر اور فاتح بن کر ہندوستان لوٹ آیا۔

بچو! تم جانتے ہی ہو کہ ہم ہندوستانی لوگ اپنے محبوب معزز بزرگوں اور ماہرین کا کتنا احترام کرتے ہیں۔ ہم گاندھی جی کو ان کے نام سے نہیں 'باپو' کے نام سے پکارتے ہیں۔ اسی طرح ہم دھیان چند کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں اور انھیں پیار سے 'دَدّا' کہہ کر پکارتا ہے۔ ان کی تاریخ پیدائش کو 'قومی کھیل کا دن' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ ہاکی اور فوج کی خدمات کے عوض ان کو 1956 میں 'پدم بھوشن' کے اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔

3 دسمبر 1979 کو لمبی بیماری کے بعد میجر دھیان چند ہم سے رخصت ہوگئے۔ ان کی یادوں کو زندہ رکھنے کے لئے جھانسی (اتر پردیش) میں ایک وسیع و عریض 'میجر دھیان چند اسٹیڈیم' بنایا گیا۔ ہندوستان کو اپنے اس عظیم سپوت پر ناز ہے۔ ہم ان کی محنت، لگن اور جیتنے کے جذبے سے، بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ ◻

Rashid Jamal Faruquee C-1462, IDPL Township Virbhadra
Rishikesh Distt Dehradun -249202 U Khand

نظم

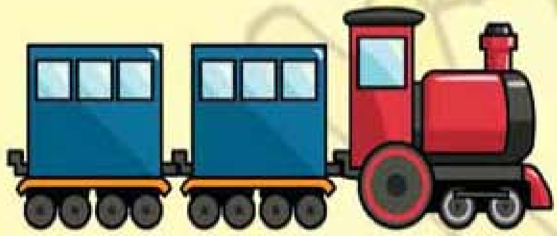
□ نور پیکر

آؤاب ہم کرکٹ کھیلیں



چھک چھک کرتی ریل نہیں ہے
پہلے والا کھیل نہیں ہے
دادی کا پنا بٹا غائب
دودھ ہے لیکن مٹھا غائب

ہم کیا کھائیں ہم کیا کھیلیں
آؤ کھٹ روٹی بیلیں



ہم سب کی وہ دل بر جانی
کونے میں بیٹھی ہیں نانی
قسمیں کھا کر کہتی ہیں وہ
بھول گئیں ہیں پچھلی کہانی



جھوٹ اور سچ کیسے پہچانیں
کیسے سیکھیں کیسے جانیں

ٹی وی دیکھیں ممی ڈانٹیں
کمپیوٹر کو کب تک کھائیں
پڑھنے کے سامان بہت ہیں
ہم بچے حیران بہت ہیں



گیند اٹھائیں بلا لے لیں
آؤ اب ہم کرکٹ کھیلیں

Noor Paikar 69 Cowles Ghat Road Shalbpur Howrah -711102

محمد اسد اللہ

سورج چاند ستارے









سورج چاند ستارے اک دن اس دھرتی پہ آئیں
دیکھ کے ان کو دنیا والے سارے چکرا جائیں

دن ہے یا یہ رات ہوئی ہے کچھ نہ پتہ چل پائے
وقت کی تال پہ چلتی دنیا کی گھڑیاں تھم جائیں

گرمی سردی بارش سب ہی حیراں اور پریشاں
بھیڑ میں کاریں کچھ آپس میں جیسے ٹکرا جائیں

چاند ستارے سورج گھس کر شان سے اک ہوٹل میں
برگر پیزا چاٹ کچوری حلوہ پوری کھائیں

کئی ستاروں کا اک جھرمٹ گیند اٹھا کر بھاگے
کچھ دریا کی جانب نکلیں اور کچھ پتنگ اڑائیں

جگ مگ چاند ستاروں سے یہ آنگن میرا دمکے
میرے گھر کی چھت پہ حاضر کھیلیں دھوم مچائیں

غم اور مایوسی کے اندھیاروں میں کیسے چمکیں
چاند ستارے گھر گھر جاکر لوگوں کو سمجھائیں

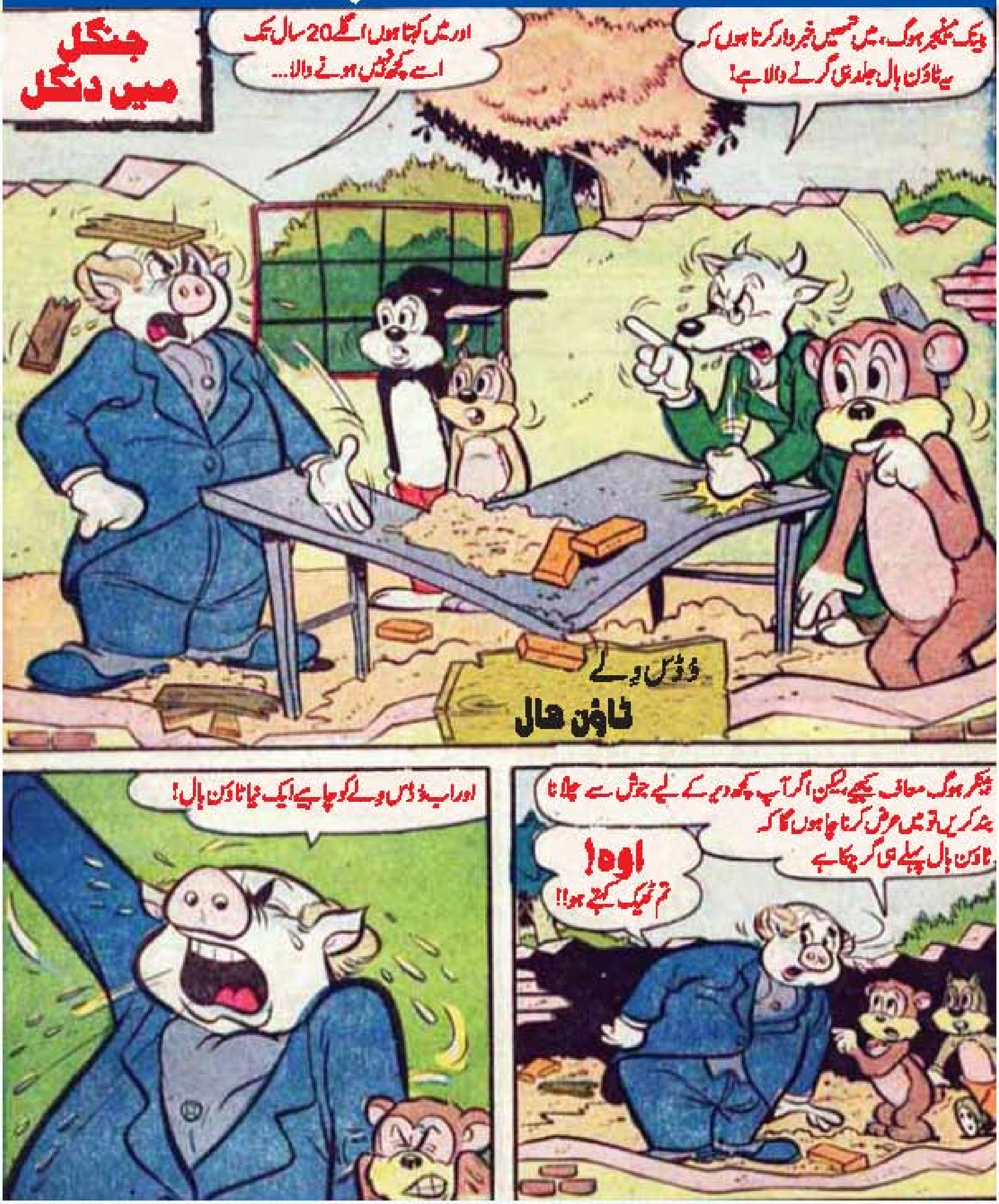
دھرتی پہ ہے گھنا اندھیرا کوئی دور کرے
آسمان پہ رہنے والے اب تو قدم بڑھائیں

Mohd AsadullahGulistan Colony Amrai Lance Jafar Nagar Nagpur-440013 Mah.

بھولے بھالو کی حماقتیں



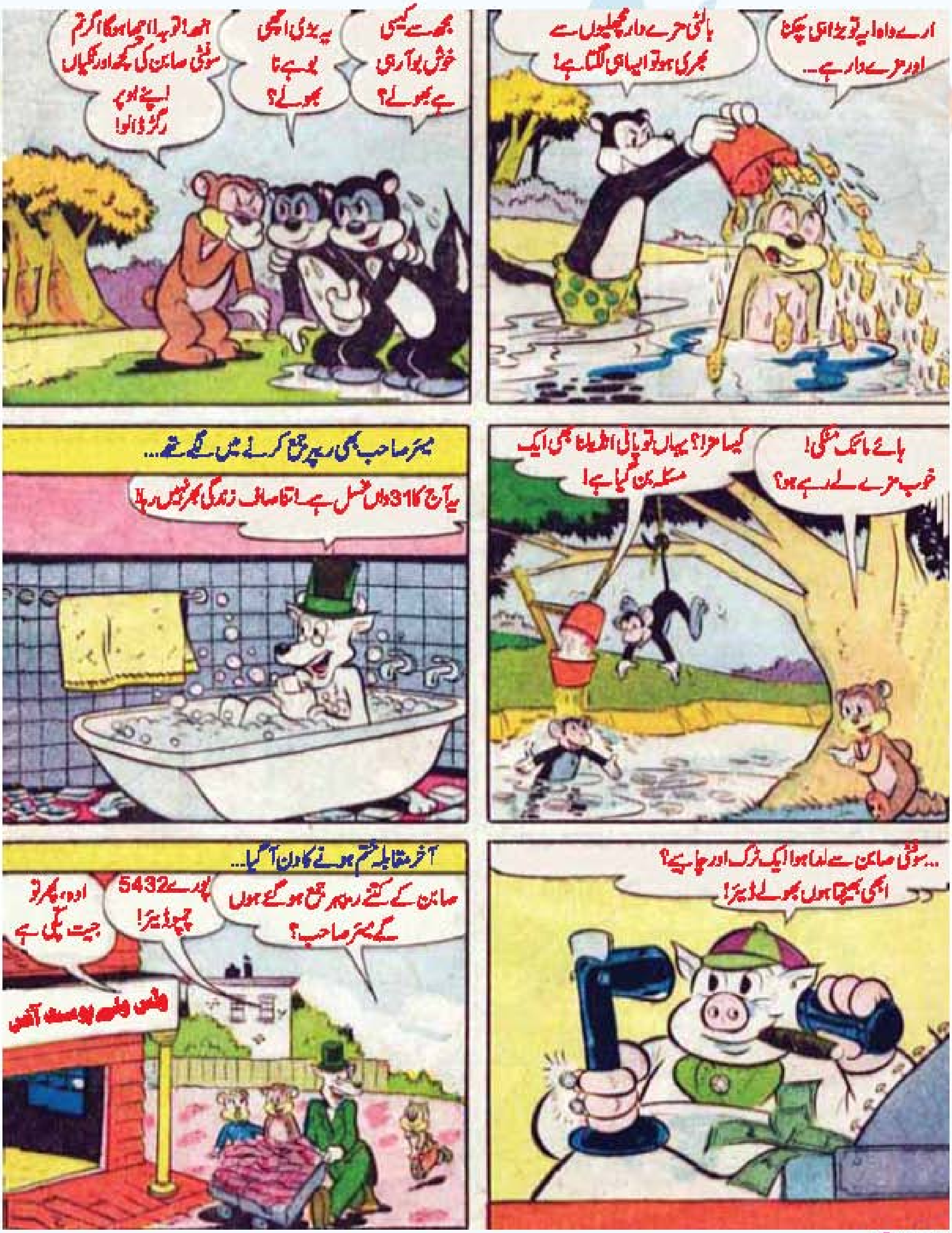
بھولا بھالو اور صابن کمپنی کا مقابلہ




اور پھر وڈ س وولے کے باشندے نیا ٹاؤن ہال بنانے میں جُت گئے
ان میں کچھ بڑھئی بھی تھے...
اف لعنت ہے... پھر چوٹ لگ گئی...
یہاں تک کہ مس بھولی بھی ہاتھ بٹارہی تھی...
آ گئی گرما گرم کافی!
ایک کپ مس بھولی!
اہاہا! گرم کافی... واہ کیا بات ہے!
مسٹر اود بلاؤ نئے ٹاؤن ہال کے لیے عمارتی لکڑی لے کر آئے...
آخر کار ٹاؤن ہال کی نئی عمارت بن کر تیار ہو گئی!
آج ہم یہاں اپنے نئے ٹاؤن ہال کے افتتاح کے لیے جمع ہوئے ہیں!
میئر بکرا نواب زندہ باد، زندہ باد!
خاموش، پلیز!
میئر صاحب... ذرا ہماری نئی عمارت کو دیکھیے!
کڑڑڑ
چڑڑڑ


اوہ! دوبارہ نہیں!
ہائے...ہمارا ٹاؤن ہال...
جنرل مرچنٹ
پھر گر رہا ہے...
کھڑ۔ڑ۔ڑ
لگتا ہے یہ میری غلطی سے ہوا میں اچھا بلڈر نہیں
بے کار کی باتیں نہ کرو بھولے، جنھوں نے پرانا ٹاؤن ہال بنایا تھا کیا وہ اچھے بلڈر تھے؟
کس لیے پریشان ہو ننھے دوستو؟
ہمارا نیا ٹاؤن ہال بھی گر گیا ہے...
اور نیا ہال بنانے پر سیکڑوں ڈالر کا خرچ آئے گا
ایک ترکیب ہے! صابن بیچ کر تم اس سے بھی زیادہ رقم کما سکتے ہو!
صابن؟... میں سمجھا نہیں!!
تمھیں صرف اتنا کرنا ہے کہ صابن کے زیادہ سے زیادہ ریپر کمپنی کو بھیج دو ظاہر ہے ریپر کے لیے صابن خریدنے ہوں گے
سونفٹی صابن مقابلہ
پہلا انعام 1600 ڈالر
25 دوسرے انعام
تفصیل کے لیے نزدیکی دکان دار سے ملیں
پورے چودہ سو ڈالر!!!
ہمیں یہ مقابلہ جیتنا ہی ہوگا بھولے ڈیئر
ہم م م! اس سے میرا کاروبار یقیناً چمک اٹھے گا


ہمارے پاس فرنیچر کے لیے بھی رقم بچ جائے گی
یاد رہے، مقابلہ ایک ہفتے میں ختم ہو جائے گا
بیٹر صاحب ہم سوفٹی صابن مقابلے میں پندرہ سو ڈالر جیت سکتے ہیں
کیا کہا... ڈیڑھ ہزار۔ر۔ر۔ر۔ا
۔۔ڈالر! سچ!؟
جو زیادہ ریپر بھیجے گا وہ جیتے گا۔ سب کو یہ مقابلہ جیتنا چاہیے
بالکل، ہم سب جیتیں گے۔ سب کو خبر کر دو، سب لوگ نہانا شروع کر دیں
کیا نہانے کو کہہ رہے ہیں؟
ہاں بدبو کے ڈھیر، سب کو نہانا ہے۔ خاص طور پر تم دونوں کو...
ہاں، سب کو!
تو اس طرح وڈس ولے کے سبھی باشندوں نے نہانا شروع کر دیا
ٹھیک ہے مسٹر اوڈ بلاؤ... اب یہ پانی کی بالٹی مجھ پر الٹ دو
لو، یہ لو!
اوہ... لگتا ہے تالاب میں پانی کے لیے میں کچھ زیادہ ہی نیچے چلا گیا
عقل مند جانور، اب مجھے دوبارہ نہانا پڑے گا
تم جتنا نہاؤ گے صابن کے اتنے ہی ریپر ہمیں مل جائیں گے
پیارے اود بلاؤ، کچھ پانی میرے اوپر بھی ڈال دو


ارے واہ یہ تو بڑا ہی چکنا اور مزے دار ہے...
بالٹی مزے دار مچھلیوں سے بھری ہو تو ایسا ہی لگتا ہے؟
مجھ سے کیسی خوش بو آرہی ہے بھولے؟
یہ بڑی اچھی بو ہے نا بھولے؟
پھر تو بہت اچھا ہوگا اگر تم سوفٹی صابن کی کچھ اور ٹکیاں اپنے اوپر رگڑ ڈالو!
ہائے مانک منکی! خوب مزے لے رہے ہو؟
کیسا مزا؟ یہاں تو پانی اٹھانا بھی ایک مسئلہ بن گیا ہے!
مسٹر صاحب بھی ریپر جمع کرنے میں لگے تھے...
یہ آج کا 31واں غسل ہے۔ اتنا صاف زندگی بھر نہیں رہا!
...سوفٹی صابن سے لدا ہوا ایک ٹرک اور چاہیے؟ ابھی بھیجتا ہوں بھولے ڈیئر!
آخر مقابلہ ختم ہونے کا دن آگیا...
صابن کے کتنے ریپر جمع ہو گئے ہوں گے مسٹر صاحب؟
پورے 5432 چھوٹے ڈیئر!
اوہ، پھر تو جیت پکی ہے
ولس ولس پوسٹ آفس


ایک ہفتے بعد...
میں کہتا ہوں ہمیں ساری رقم نیا ٹاؤن ہال بنانے پر خرچ کر دینا چاہیے!
سارے کے سارے پندرہ سو ڈالر؟
کچھ رقم فرنیچر پر بھی لگانی چاہیے میئر صاحب!
سب لوگ سنیں اسوفٹی صابن کمپنی سے خط آیا ہے!
پہلا انعام کسی اور نے حاصل کر لیا ہے اس نے کمپنی کو 5433 ریپر بھیجے ہیں!
اگر تم دونوں ایک ایک بار اور صابن سے نہا لیتے تو آج ہم جیت جاتے!
مگر آپ نے دوسرا انعام حاصل کر لیا ہے
اس کا مطلب ہے ہماری محنت بے کار نہیں گئی دوسرا انعام کم سے کم ایک ہزار ڈالر کا تو ہونا ہی چاہیے
وہ ایک ٹرک آ رہا ہے اس میں شاید دوسرا انعام ہوگا!
مجھے پتہ نہیں تھا کہ ایک ہزار ڈالر اتنے سارے بکسوں میں رکھ کر لانے پڑتے ہیں
...اور 5432 صابنوں کے ریپر جمع کرنے پر کمپنی ہمیں دیتی ہے دوسرا انعام، یعنی...
سوفٹی سوپ کمپنی کے 5 ہزار صابن! ہائیں!

■ ادارہ



یہ مزے مزے کی حکائتیں...

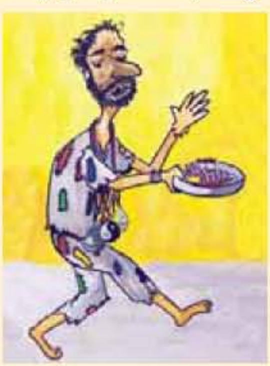


◆ دو دوست سفر پر جارہے تھے۔ راستے میں رات ہوگئی۔ دونوں ایک ٹینٹ لگا کر سو گئے۔ رات کو ایک دوست کی آنکھ کھلی۔ اس نے دوسرے کو جگا کر پوچھا: ''اوپر دیکھ کیا نظر آرہا ہے؟''



دوسرے دوست نے کہا: ''تاروں بھرا آسمان!''
پہلے دوست نے پوچھا: ''اس سے کیا پتہ چلتا ہے؟''
دوسرے دوست نے کہا: ''آسمان خوب صورت ہے۔''
پہلا دوست بولا: ''ابے نیوٹن کی اولاد، ٹینٹ چوری ہوگیا ہے!''

◆ ایک بھکاری کو سو روپے ملے۔ وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں گیا اور خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ کھانے کا بل آیا، 3000 روپے۔



بھکاری نے مینیجر سے کہا: ''اتنے پیسے میرے پاس نہیں ہیں۔''
مینیجر نے اسے پولس کے حوالے کردیا۔ بھکاری نے پولیس والے کو سو روپے دیے اور چھوٹ گیا۔
اسے کہتے ہیں، فائنینشل مینجمنٹ... MBA کیے بغیر!

◆ دو کاکروچ آئی سی یو میں داخل تھے۔
پہلے نے پوچھا: ''تجھے کس نے مارا؟''
دوسرا بولا: ''زہریلی دوا کے چھڑکاؤ نے۔ اور تجھے کس نے مارا؟''



پہلا بولا: ''کسی نے نہیں۔ یہ جو لڑکیاں ہیں نا، یہ کم بخت کاکروچ دیکھ کر اتنا چیخنی چلاتی ہیں کہ میرا ہارٹ فیل ہوگیا۔''

ذوافشاں وحید، بیڈ، مہاراشٹر

◆ ٹیچر: ''کیچڑ پانی میں رہنے والے پانچ جانوروں کے نام بتاؤ۔''



ایک لڑکا: ''مینڈک، مینڈک کی امی، مینڈک کے ابو اور مینڈک کے بھائی بہن۔''

خان طوبیٰ رحمٰن، ممبرا، مہاراشٹر

◆ ببلی: ''کسی کھلاڑی کی نظر کمزور ہو تو کیا کرتے ہیں؟''
ببٹی: ''اسے ریفری یا امپائر بنا دیا جاتا ہے۔''

◆ بیٹا: ممّا رات کو جب میں ٹائلٹ گیا تو بتی اپنے آپ جل گئی اور میں شوشو کرکے آگیا۔



ماں: بیٹا! تم نے پھر فریج میں شوشو کردیا؟

قاضی مذکر، بیڈ، مہاراشٹر

◆ سنتا ایک نوجوان سے: آپ کتنا پڑھے ہو؟
نوجوان: بی اے
سنتا: کمال کرتے ہو یار۔ دو حرف پڑھے، وہ بھی الٹے؟

ایچ عبداللہ، پالم ڈسٹرکٹ پربھنی

◆ ایک شخص کے دو جڑواں بیٹے تھے۔ اس نے دیکھا ایک ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا ہے اور دوسرا اداس بیٹھا کانپ رہا ہے

باپ نے پوچھا: ''تم اتنا ہنس کیوں رہے ہو؟''
بیٹا بولا: ''ممی نے اتنی ٹھنڈ میں دونوں بار اسی کو نہلا دیا! ہاہاہا!''



محمد سجاد، اچل پور

• دوست کو اس نظر سے مت دیکھو کہ وہ کتنا امیر ہے۔ وفادار دوست اکثر غریب ہوتا ہے۔

• زندگی میں جو منزل حاصل کرنا چاہو کرلو
بس اتنا خیال رہے کہ اس کا راستہ لوگوں کے دلوں کو توڑتا ہوا نہ گزرتا ہو!

ایس فردوس شیری

• ایک کنجوس نے اپنے نوکر سے پوچھا: ''اس چیز کا نام بتاؤ جو محنت کے باوجود نہ ملتی ہو!''
نوکر نے بڑی بے چارگی سے کہا: ''میری تنخواہ!''

صارم دیشمکھ



• دوست کے مرنے پر ایک شخص اس کی لاش سے لپٹ کر اتنا رویا، اتنا رویا کہ لاش اٹھ بیٹھی اور بولی: ''لے، تو مر جا یار، میں پھر کبھی مر جاؤں گا۔''

• پولیس والا: دروازہ کھولیے میڈم۔
آپ کے شوہر ایک بھاری ٹرک کے نیچے آکر مر گئے ہیں۔ ان کی لاش بالکل پاپڑ بن گئی ہے۔
بیوی: دروازہ کھولنے کی کیا ضرورت ہے! نیچے سے سرکا دو۔

• بدمعاش کی دعا:



میرے اعمال اس قابل نہیں کہ میں جنت مانگوں میرے پروردگار بس اتنی دعا ہے کہ مجھے جہنم سے بچا لینا! آمین!

انجم سید، پربھنی

• سنتا کا ٹیچر: دہی کی انگریزی بتاؤ۔
سنتا کچھ دیر سوچنے کے بعد: ملک سلیپنگ ان دی نائٹ اینڈ سویرے سویرے از ٹائٹ!

زید محمد، 24 پرگنہ، مغربی بنگال



• گبر: کتنے آدمی تھے؟
کالیا: سردار دو
گبر: مجھے گنتی نہیں آتی۔
جلدی بتا، دو کتنے ہوتے ہیں؟
کالیا: دو ایک کے بعد آتا ہے۔
گبر: اور دو کے پہلے؟
کالیا: دو کے پہلے ایک آتا ہے۔
گبر: تو بیچ میں کون آتا ہے؟
کالیا: بیچ میں کوئی نہیں آتا۔
گبر: تو پھر دونوں ایک ساتھ کیوں نہیں آتے۔
کالیا: دو ایک کے بعد ہی آسکتا ہے کیونکہ دو ایک سے بڑا ہے۔



گبر: دو ایک سے کتنا بڑا ہے؟
کالیا: ابے الو کے پٹھے گولی مارنا ہے تو ماردے۔ تیرا نمک کھایا ہے چیونگ گم نہیں!

نام نہیں لکھا

• بھکاری: صاحب ایک روپیہ دے دو۔
صاحب: کل آنا۔

بھکاری: حد ہو گئی۔ اس کل کل کے چکر میں میرے ہزاروں روپے اس کالونی میں پھنسے ہوئے ہیں۔

شیخ شیر دھٹیل، مین جالگاؤں، بیڑ

• رات دن کمپیوٹر سے الجھے رہنے والے ایک شخص نے اپنے بھائی سے کہا: "کل پڑوسی کا بچہ کھو گیا تھا۔ میں نے اس سے کہا گھبرانے کی کیا بات ہے، گوگل ڈاٹ کام پر ڈھونڈو، مل جائے تو ڈاؤن لوڈ کر لینا۔



فیض الرحمٰن، ناندیڑ

• کچھ یادیں ہیں ان لمحوں کی
جن لمحوں میں ہم ساتھ رہے
خوشیوں سے بھرے جذبات رہے
اک عمر گزاری ہے ہم نے
جہاں روتے ہوئے بھی ہنستے تھے
کچھ کہتے تھے کچھ سنتے تھے
ہم روز صبح جب ملتے تھے
تو سب کے چہرے کھلتے تھے
پرلطف وہ منظر ہوتا تھا
سب مل کر باتیں کرتے تھے
ہم سوچ کتنا ہنستے تھے
وہ گونج ہمارے ہنسنے کی
اب ایک پرانی یاد بنی
یہ باتیں ہیں ان لمحوں کی
جن لمحوں میں ہم ساتھ رہے

اسکول میں کتنی مستی تھی
تب اپنی بھی کچھ ہستی تھی
ٹیچر کا بہت سہارا تھا
پر دل اپنا آوارا تھا
ڈگری کی لگن میں کھو بیٹھے
وہ بچپن کتنا پیارا تھا

نغمہ کہکشاں، اسلام پورہ مالیگاؤں

• پولیس والا: جلدی بتا، تیرا دوست کیسے مرا؟ کس نے مارا؟
سنتا (روتے ہوئے): مجھے کیا پتہ؟ وہ کہہ رہا تھا بھوک سے پیٹ میں چوہے کود رہے ہیں۔ میں نے چوہے مارنے کی دوا پلا دی، بس!



متین خاں اورنگ آباد، مہاراشٹر

• ایک شخص کار چلا رہا تھا۔ اچانک کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ پولیس اسے پکڑ کر عدالت لے گئی۔ جج نے پوچھا: "سچ سچ بتاؤ حادثہ کیسے ہوا؟"
کار والا بولا: "میں سچ کہتا ہوں۔ مجھے کچھ پتہ نہیں جج صاحب۔ میں تو اس وقت سو رہا تھا۔"



ارسلان اعظمی، اسورہ محی الدین، اعظم گڈھ یوپی

• ایک عورت پھل بیچنے والے سے: تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ جو آم تم بیچ رہے ہو وہ لنگڑے آم ہی ہیں؟
پھل والا: یہ ٹھیک سے چل نہیں سکتے اسی لیے انھیں سر پر لیے گھوم رہا ہوں!

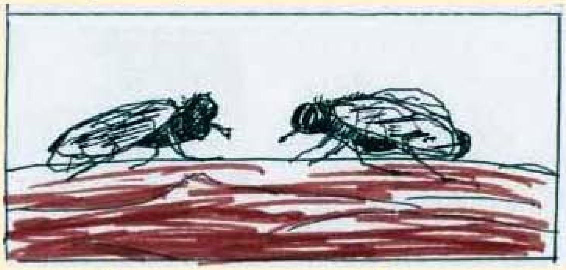


نزہت آفریں، اجنتا اورنگ آباد

• ہر خوشی کو تیری طرف موڑ دوں
تیرے لیے چاند ستارے بھی توڑ دوں
خوشیوں کے سب دروازے تیرے لیے کھول دوں
اتنا کافی ہے یا دو چار جھوٹ اور بول دوں؟

عدنان

• ایک گنجے شخص کے سر پر دو مکھیاں بیٹھی تھیں۔ ایک مکھی نے دوسری سے کہا: "اچھا گھر ڈھونڈا ہے تم نے۔"
دوسری مکھی بولی: "گھر نہیں بہن، ابھی تو صرف پلاٹ لیا ہے۔"



شعیب شیخ معین الدین ماہی جی تال پچھوڑا، ضلع جلگاؤں

• کرپیا دھیان دیں۔
خواب نگر جانے والی نندیا ایکسپریس، بستر پلیٹ فارم پر آ رہی ہے یاتریوں سے نویدن ہے کہ اپنے اپنے چینے لے کر تیار رہیں

• جب تم ہنستے
ہو تو لگتا ہے آدمی
پہلے بندر تھا
دیکھو غصہ مت
کرو، کیونکہ
جب تم غصے میں
ہوتے ہو تو لگتا
ہے آدمی آج
بھی بندر ہے



• جانے انجانے اگر اس پورے سال میں
آپ کو دکھ دیا ہو
پریشان کیا ہو
تکلیف دی ہو
رلایا ہو
تو

عادت ڈال لو
کیونکہ اگلے سال بھی ہم نہیں سدھریں گے

• آپ کی زندگی کا سب سے قیمتی لمحہ۔
جب آپ حال پوچھنے پر اپنے دوست سے کہیں، "میں ٹھیک ہوں!" اور وہ آپ کی آنکھوں میں دیکھ کر کہے: "اوکے، چل اب بتا، کیا پرابلم ہے؟" وہی ہے سچا دوست۔

شمائلہ صدف، گربید نگر، مالیگاؤں

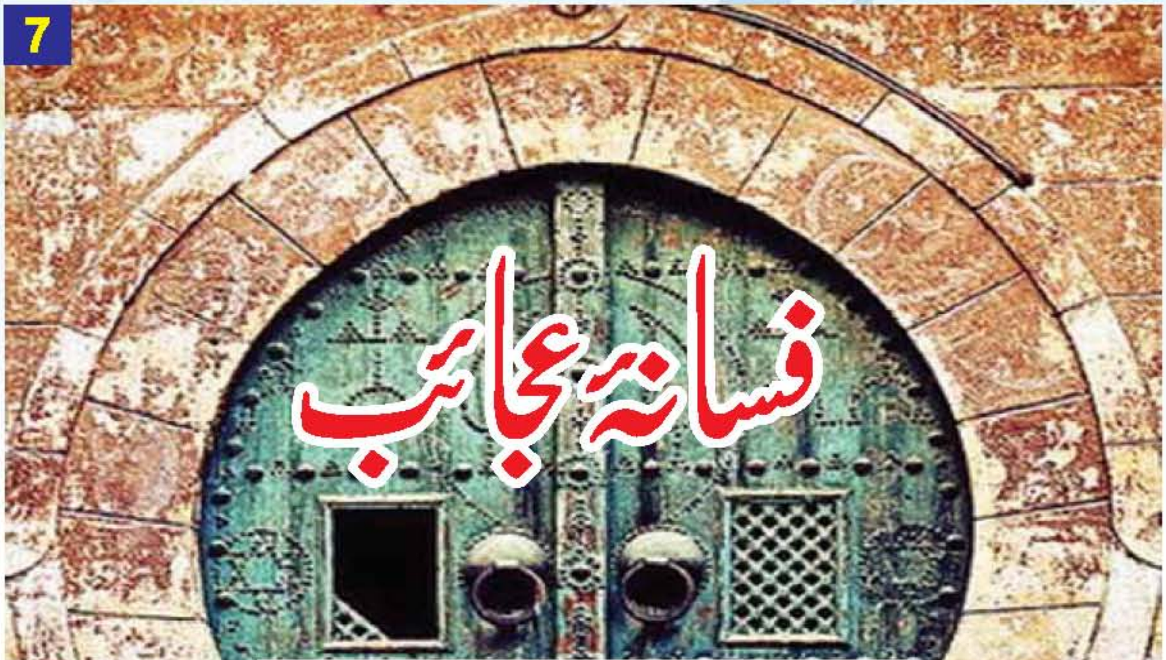
ہمارا ایس ایم ایس

پچھلے شمارے میں ایس ایم ایس بھیجنے کے لیے ہم نے جو نیا نمبر دیا تھا وہ تو آپ میں سے اکثر نے نوٹ کر ہی لیا ہوگا
نمبر تھا، بلکہ ہے: 9540165653
کیا آپ نے نوٹ کیا؟
ہمارا خیال ہے نہیں، کیونکہ ابھی تک آپ کا ایس ایم ایس ہمیں نہیں ملا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟
یا تو آپ نے ایس ایم ایس سرکاری چھٹیوں کے دنوں میں بھیجا ہے۔
یا پھر سنیچر اور اتوار کو بھیج دیا ہے۔
یا صبح دس بجے سے پہلے اور شام چھ بجے کے بعد send کیا ہے۔
ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ ان دنوں اور ان اوقات کے علاوہ بھیجے گئے ایس ایم ایس اپنے آپ delete ہو جائیں گے۔
یا پھر ہو سکتا ہے آپ ہم سے ناراض ہوں۔
اگر ایسا ہے تو ہم معذرت چاہتے ہیں۔
مگر اتنا ضرور بتا دیجیے کہ کس بات پر خفا ہیں؟ ایس ایم ایس کر کے!

اعزازی مدیر

□ رجب علی بیگ سرور

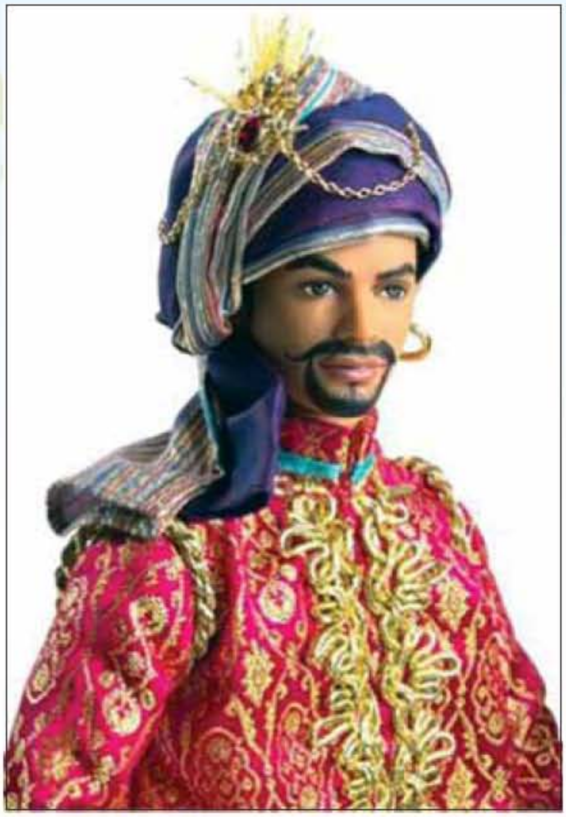
7



فسانۂ عجائب

'فسانۂ عجائب' اردو نثر کی بہت اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ ایک خیالی داستان ہے جس میں قصے سے قصہ نکلتا ہے اور عقل کو حیران کر دینے والے واقعات بیان ہوتے ہیں جنھیں پڑھتے وقت لوگ ان میں کھو جایا کرتے تھے۔ مرزا رجب علی بیگ سرور نے اسے بڑی منجھی ہوئی نثر میں لکھا تھا اور اس میں قافیوں والی زبان بھی استعمال کی تھی۔ مثلاً، "...سارے شہر میں خوب دھوم دھام ہوئی اور ساری رعایا شادکام ہوئی..." یہ زبان پرلطف تو ہے مگر کہیں کہیں مرزا نے بلاوجہ بھی قافیے اور ردیف جڑ دیے تھے جس سے پڑھنے والے کا ذہن بھٹکتا تھا۔ اردو کے مشہور ادیب جناب نورالحسن نقوی نے بڑوں کے لیے لکھی ہوئی اس کتاب میں سے مشکل الفاظ اور قافیے وغیرہ نکال کر اتنی سادہ زبان میں کتاب کا مسودہ تیار کیا کہ وہ آج کے پڑھنے والوں خاص طور سے بچوں کی سمجھ میں آجائے۔ اگر آپ کو اچھی اردو لکھنے کا شوق ہے تو اس کتاب کو ضرور پڑھیے جسے ہم آپ کے لیے قسط وار پیش کر رہے ہیں۔ اس داستان کو جو اپنے اندر ناول کی خوبیاں لیے ہوئے ہے قومی اردو کونسل نے 1982 میں بچوں کے لیے چھاپا تھا۔

اب تک آپ نے پڑھا :ملک ختن میں ایک بادشاہ تھا فیروز بخت۔ شہزادہ جان عالم اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ایک دن شہزادے نے ایک بولنے والا طوطا بازار سے خریدا۔ طوطا دنیا بھر کی باتیں جانتا تھا۔ ایک دن اس نے بتایا کہ ملک زر نگار کی ملکہ انجمن آرا دنیا کی سب سے حسین ملکہ ہے۔ شہزادہ انجمن آرا کی تلاش میں نکل پڑا۔ راستے میں کئی مشکلیں آئیں۔ ایک جگہ غلطی سے ایک جادوگر نی کے جال میں پھنس گیا جو اسے اپنے محل لے گئی اور اس سے زبردستی شادی رچانے لگی۔ جان عالم کسی طرح اس کی قید سے نکل آیا۔ راستے میں اسے ملکہ مہر نگاراپنی خواصوں کے ساتھ ملی اور گھر لے گئی۔ ملکہ نے جان عالم کا قصہ سن کر اسے اپنے والد سے ملا یا جو حکومت چھوڑکر عبادت گزار بن چکے تھے۔ انہوں نے جان عالم کو ایک لوح دی یہ خدا کے ناموں کا تعویذ تھاجو ہرجا دو کو توڑدیتا تھا ۔مہر نگار اوراس کے والد سے رخصت ہو کر جان عالم ملک زرنگار پہنچاجہا ں پتہ چلا کہ انجمن آرا ایک جا دوگر کی قید میں ہے۔ جان عالم جا دوگر سے لڑنے چل دیا اورلوح کی مدد سے کامیاب رہا۔انجمن آراکی واپسی پر اس کا باپ جو کہ ملک کا بادشاہ تھا اس قدر خوش ہوا کہ اس نے جان علم سے انجمن آرا کی شادی کر دی۔کچھ د ن گزرے توجان عالم کو گھر کی یاد ستانے لگی۔ واپس راستے میں ان کی ملاقات ملکہ مہرنگار اور اس کے بزرگ والد سے ہوئی۔ دونوں کچھ روز ان کے ساتھ رہے۔ مہر نگا راب بھی جان عالم کو چاہتی تھی۔ دونوں کی شادی ہو گئی۔ جان عالم دونوں بیویوں کو لے کر وطن واپس چلا تو بزرگ نے دوسرے جان دار میں روح داخل کرنے کی ترکیب اسے بتائی اور کہا کہ کسی کو یہ راز نہ بتانا ورنہ دکھ اٹھاؤ گے۔مگر اس نے اپنے دوست وزیرزادے کو یہ راز بتا دیا۔ لالچی دوست نے دھوکے سے جان عالم کو بندر کے جسم میں داخل کرا دیا اور خود جان عالم بن گیا مگر دونوں بیویوں کو اس پر شک ہو گیااوروہ اس سے دور رہنے لگیں۔ ادھر وزیر زادے کو اندیشہ تھا کہ جب تک جان عالم بندر کی شکل میں زندہ ہے تب تک اس کے لیے خطرہ بنا رہے گا۔ اس نے دس روپے میں ایک بند ر خریدنے کا عام اعلان کردیا اور یوں ہزاروں بندر خریدکر مار ڈالے۔جان عالم بندر کی صورت میں ایک غریب چڑی مار کے ہاتھ آگیا۔وہ اسے انعام کے لالچ میں وزیر زادے کے پاس لے چلا۔جان عالم نے اس کی بیوی کو یمن کے بادشاہ کی کہانی سنائی جس نے ایک سلطنت دے کر دو سلطنتیں پائی تھیں اور لالچ کرنے والے کا برا انجام ہوا تھا۔ بیوی کو کہانی سن کرترس آگیا اور اس نے چڑی مار کوبندر کی جان بچانے کے لیے منا لیا۔ انسانوں کی طرح بولنے والے بندر کی خبر ایک رحم دل سوداگر کو ملی تو اس نے اسے بھاری رقم دے کر خرید لیا مگر یہ خبر وزیرزادے تک جا پہنچی اور اس کے ساتھ ملکہ کو بھی یقین ہو گیا کہ وہ بندر ہی دراصل جان عالم ہے۔ وزیر زادے نے سوداگر کو حکم دیا کہ بندر اس کے حوالے کر دے۔ سوداگرنے ٹھان لی کہ جان پر کھیل کر بھی بندر کو بچائے گا۔ وہ اسے ایک جلوس کی شکل میں محل کی طرف لے چلا۔ بندر راستے میں لوگوں کو اپنی بپتا سناتا گیا۔جیسے ہی وہ ملکہ کے جھروکے کے نیچے آیا ملکہ نے اسے روک لیا۔جان عالم اسے دیکھ کر روپڑا اور ملکہ کے کہنے پر اسے اپنی داستان سنانے لگا۔ اب آگے پڑھیے:





بندر نے ملکہ کی آواز پہچان لی تھی۔ پہلے تو وہ خوب رویا پھر جی ٹھہرا کے کہنے لگا۔

"کیا سنائیں یار نے عیاری کی مل کے دغا دی۔ ہم سے جس کے آنسو دیکھے نہ جاتے تھے وہ ہمارے خون کا پیاسا نکلا۔ سچ ہے اس دنیا میں نیکی کا بدلہ بدی ہے۔ پھر سے وطن دیکھنے کی تمنا دل میں ہی رہ گئی۔ دوستوں کا کہا نہ مانا وہ آگے آیا۔ سب سمجھ میں آیا کہ اپنا بھید کسی پر کھولنا اچھا نہیں۔ کسی کو کیا دوش دوں۔ میں نے آپ اپنے پیروں میں کلہاڑی ماری۔ اب کوئی تدبیر بن نہیں آتی۔ کوئی گھڑی میں مفت جان جاتی ہے۔ جو دیکھتا ہے وہ جانتا ہے جو نہیں جانتا اس سے کہہ دینا کہ تمہارے لیے گھر چھوڑ کے دربدر ہوئے اور آج جان سے جاتے ہیں۔"

ان باتوں سے رہا سہا شک بھی جاتا رہا۔ پکا یقین ہوگیا کہ جان عالم یہی ہے۔ جواب دیا کہ "جو جانتے تھے (یعنی ملکہ مہر نگار) ان سے کیا ہوسکا۔ جو نہیں جانتے تھے (یعنی انجمن آرا) اب وہ جان کے کیا کرلیں گے۔" اتنا کہا اور طوطے کی گردن مروڑ، پنجرہ پردے سے باہر نکال دیا۔ بندر کی نگاہ پنجرے پر پڑی، سمجھا ملکہ پہچان گئی، جھٹ سوداگر کی گود میں لیٹ گیا اور اپنی جان طوطے کے بدن میں داخل کردی، طوطا پھڑکا، ملکہ کا دل خوشی سے دھڑکا، پنجرہ اندر کھینچ لیا۔

سوداگر نے دیکھا بندر مرگیا، چاہا اپنی جان لے لے اور بدنامی سے چھوٹے۔ لوگوں نے سمجھایا کہ "خدا کی مرضی میں دخل نہیں۔ اگر وہ ظالم لے کے مارڈالتا تو کون روکتا۔ اب اتنا تو ہے کہ اپنی موت آپ مرا۔ صبر کرو۔" تماشائیوں نے سنا کہ بندر مرگیا تو سب رو دیے سب ایک ہی بات کہتے تھے۔ "بندر خوش نصیب تھا، ظالم کے آگے جانے کی نوبت نہ آئی۔ مرنے کے ڈر سے سوداگر کی گود میں جان دے دی۔"

یہ خبر وزیرزادے کو پہنچی، پھر بھی چین نہ آیا، لاش منگا کر اپنے سامنے جلوائی اور دل ٹھنڈا کیا۔ وہاں ملکہ مہر نگار پنجرہ لے بیٹھی، لوگوں کو پاس سے سرکا دیا۔ میاں مٹھو نے شروع سے آخر تک سارا حال کہہ سنایا کہ "ہم نشے کی ترنگ میں تھے، وزیرزادہ رویا کہ ہم سے راز چھپاتے ہو۔ ہم نے جسم بدلنے کی ترکیب بتادی۔ اس نے یہ عمل ہمیں پر آزمایا۔ پھر چڑی مار کے جال میں پھنسے۔ ایک تاجر نے نرالی چیز جان کے ہمیں اس سے خرید لیا۔ پھر آج تم سے آملے۔" ملکہ نے کہا





"اطمینان رکھئے اب جلد کوئی صورت ہوئی جاتی ہے۔"

یہاں یہ بات چیت ہو رہی تھی کہ اس خبیث کے آنے کی اطلاع پہنچی۔ پہلے وہ آیا کرتا تھا تو ملکہ بات نہ کرتی تھی۔ وہ آپ ہی شرمندہ ہو کے اٹھ جاتا تھا آج ملکہ اس کے استقبال کو آئی۔ وہ کم بخت یہ سمجھا کہ اس نے بندر کو پہچان لیا اور اسے اپنی آنکھوں سے مرتے دیکھ لیا۔ اس لیے دب گئی ہے۔ اب جلدی نہیں کرنی چاہئے یہ کوئی دن میں خود ہی اسے بھول جائے گی۔ اسے ملکہ کے باپ کا بھی بہت ڈر تھا کہ بڑا عالم ہے پتہ نہیں کیا عمل کرے۔

وزیرزادہ رخصت ہونے لگا تو ملکہ نے کہا "بکری کا ایک خوبصورت بچہ ہمیں بھیج دو۔ اسے پالیں گے اور اپنا دل بہلائیں گے۔" یا تو ملکہ بات نہ کرتی تھی یا فرمائش کرنے لگی، وزیرزادہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوا کہ اتنے دن بعد یہ نوبت آئی۔ اسی وقت ایک بکری کا بچہ منگوا کر بھجوایا۔ دوسرے دن وزیرزادہ آیا تو ملکہ کو بہت خوش پایا۔ اس کے سامنے دیر تک بچے سے کھیلتی رہی۔

کئی دن یہی کھیل ہوتا رہا۔ ایک روز ملکہ نے بچہ کو دبا کے ادھ موا کر دیا اور چوب دار دوڑایا کہ شہزادے کو جلد بلا لا۔ کہنا کہ دیر لگاؤ گے تو جیتا نہ پاؤ گے۔ دوڑا چلا آیا۔ ملکہ نے طوطے کا پنجرہ اپنے پلنگ کے پاس رکھ لیا تھا اور بچے کو بالکل مار کے گود میں دھر لیا تھا۔ وزیرزادہ سامنے آیا تو ملکہ بلک بلک کے رونے لگی۔ شہزادے نے سمجھایا کہ کیوں روتی ہو اس کے بدلے ہزار بچے حاضر کرتا ہوں۔

ملکہ نے کہا "ابھی اسی بچے کو زندہ کرو۔ اگر میری خوشی چاہتے ہو تو یہ کام ابھی کرنا ہوگا۔" وہ بولا "کہیں مر کے بھی کوئی زندہ ہوا ہے جو یہ زندہ ہوگا؟"

ملکہ نے کہا "واہ جب میں روئی تھی تو تم نے میری مدد کو زندہ کر دیا تھا۔"

اس نمک حرام نے سوچا کہ شاید شہزادے نے ایسا کیا ہو۔ پھر پوچھا "ذرا یہ تو بتاؤ ہم نے مینا کو کس طرح زندہ کیا تھا؟"

ملکہ نے جواب دیا "تم پلنگ پر لیٹ رہے تھے، وہ جی اٹھی تھی۔" یہ نشانی بھی ٹھیک پائی۔ سوچا لاؤ ذرا سی دیر کو اپنی جان اس مردہ بکری کے بچے میں لے جاؤں۔ یہ بہل جائے گی اس کے بعد پھر اپنے بدن میں لوٹ آؤں گا۔ یہ نہ معلوم تھا کہ موت سر پہ منڈلا رہی ہے، کہا "بچہ گود سے رکھ دو۔"

ملکہ نے بچہ زمین پر ڈال دیا۔ وزیرزادہ پلنگ پر لیٹا، اپنی روح بکری کے بچے کے جسم میں لایا۔ وہ کودنے لگا۔ ملکہ نے گود میں لیا، پیار کیا۔ اس نے تو سوچا تھا کہ ذرا سی دیر میں ملکہ کا دل بہل جائے تو پھر اپنے بدن میں لوٹ آؤں گا۔ یہ نہ سمجھا کہ موت گھات میں ہے اور اب قسمت کو کچھ اور ہی منظور ہے۔

شہزادہ جان عالم یہ سب معاملہ پنجرے سے دیکھ سن رہا تھا۔ فوراً اپنی جان اپنے بدن میں لا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بزدل جان عالم کو دیکھ گھبرا گیا کہ قسمت بری ہے۔ کوئی دم میں گلا ہے اور چھری ہے۔ ملکہ نے کوئی منتر پڑھ کر بکری کے بچے پر پھونک دیا کہ وہ اپنی جان دوسرے کے بدن میں لے جانے کو بھول گیا۔

ملکہ نے انجمن آرا کو بلایا اور کہا "لو جی خدا نے ہماری تمہاری آبرو رکھ لی اور بچھڑے سے ملایا۔ یہ تمہارا احمق شہزادہ ہے اور یہ بکری کا بچہ نہیں وزیرزادہ ہے۔" تینوں کی خوشیاں بے حساب تھیں۔ آنکھوں سے مارے خوشی کے آنسو جاری تھے۔ جو سہیلیاں اس راز سے واقف تھیں وہ



مبارکباد کو دوڑیں۔ جان عالم نے سوداگر کو بلا کے ساری بات بتائی اور بہت انعام دیا۔ پھر چڑی مار کو بلا کے مالا مال کیا اور غضنفر شاہ کی اجازت سے اسے چڑی ماروں کا چودھری بنادیا۔ اب کوچ کی تیاری ہوئی غضنفر شاہ سے اجازت لی اور سفر کا سامان درست کر کے چل نکلے۔

جادوگرنی سے مقابلہ

شہزادہ جان عالم اور اس کا قافلہ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا اسی حوض کے کنارے آپہنچا جس میں غوطہ کھا کے شہزادہ مصیبت میں پھنسا تھا۔ حوض کے کنارے خیمے لگ گئے۔ شہزادے نے وہ حوض ملکہ مہر نگار اور انجمن آرا کو دکھایا۔

شہزادہ سفر کا تھکا ہوا تھا، سورج ڈوبا تو اس نے نماز پڑھی اور لیٹ گیا، نیند میں تھا کہ انجمن آرا کی ایک خاص کنیز گھبرائی ہوئی دوڑی آئی، بولی ”شہزادے کی عمر دراز ہو، شہزادی کی طبیعت ناساز ہے، کلیجے میں درد ہے، وہ نقش سلیمانی اور لوح دیجئے کہ دھو کر پلادیں۔“ یہ خبر سن کر شہزادہ گھبرا گیا۔ ایسے ہوش اڑے کہ بے سوچے سمجھے لوح اور نقش اس کے حوالے کردیے۔

لوح اور نقش کا دینا تھا کہ نقشہ بگڑ گیا۔ ایسی ہولناک آواز ہوئی کہ سب گھبرا گئے، جو جہاں بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہ گیا۔ غور کیا تو پتہ چلا کہ ہر ایک جان دار، کیا انسان، کیا حیوان سب کا نیچے کا آدھا دھڑ پتھر کا ہوگیا۔ یہ ایسی مصیبت آپڑی تھی کہ ہر طرف کہرام مچ گیا۔ دیکھتے دیکھتے کالی گھٹا گھر آئی، سب ڈرے سہمے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اس ابر میں سے ایک خوں خوار اژدہا نکلا جس کے منہ سے شعلے نکلتے تھے۔ اس اژدہے پر غصے سے بھری ہوئی ایک عورت سوار تھی، جان



عالم نے پہچانا کہ یہ وہی جادوگرنی ہے۔ یقین ہوگیا کہ اب موت نزدیک آئی۔

جان عالم سے کہا "کہو اب کیا ارادہ ہے؟" اس نے کہا "وہی جو تھا۔" بولی "اب وہ نقش سلیمانی اور لوح کہاں ہے جس کے بھروسے پر کودتے تھے۔ اگر اپنی اور اپنے لشکر کی زندگی چاہتے ہو تو مہر نگار اور انجمن آرا سے رشتہ توڑو اور ہمارا حکم مانو ورنہ تم سب کی لاشیں ذرا دیر بعد چیلوں اور کوؤں کو کھلا دوں گی۔"

جان عالم نے جواب دیا "یہ نہیں ہوسکتا، اگر یوں ہی موت آئی تو مر رہیں گے۔" یہ جواب سن کر وہ جل گئی، غصے سے رنگت بدل گئی، کچھ بڑ بڑا کر جان عالم پر پھونکا تو آدھا پتھر کا تھا یا حلق تک پتھر کا ہوگیا۔ اس نے اژدہے پر چڑھ کر آواز دی "اے بدنصیب! آج کی اور رات کی مہلت ہے۔ اگر صبح کا حکم نہ مانا تو سارا لشکر برباد کردوں گی۔ ان میں ہر ایک کا خون تیری گردن پر ہوگا۔"

جادوگرنی تو یہ کہہ کر ہوا ہوگئی۔ ملکہ اور انجمن آرا اپنے اپنے خیموں سے گھبرا گھبرا کے پکارتی تھیں۔ جب تک وہ آدھا پتھر کا رہا جواب دیتا رہا۔ اب حلق پتھر کا ہوا تو آواز بھی بند ہوگئی۔ جواب نہ ملا تو دونوں نے سر پیٹ لیا۔ اس طرح چیخ چیخ کر روئیں جیسے کوئی کسی کے مرنے پر روتا ہے، ہر خیمے میں کہرام برپا تھا۔

اتفاق سے ادھر سے ملکہ کے باپ کا ایک شاگرد اڑا جاتا تھا۔ وہ بھی اپنے استاد کی طرح جادو کے فن میں ماہر تھا۔ زمین پر اتر کے دیکھا کہ ایک بھاری لشکر مصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔ ہر ایک کا دھڑ آدھا پتھر کا ہے۔ سمجھ گیا کہ یہ سب شہپال کے جادو میں گرفتار ہیں۔ لوگوں سے حال پوچھا، جب پتہ چلا کہ استاد کی بیٹی مصیبت میں مبتلا ہے تو سر پیٹ کے چلا اور خیمے کے دروازے پر آیا۔



شہزادی نے کہا" بھائی اس وقت کیسا پردہ؟ تم آپ اندر آ کے آنکھوں سے ہمارا حال دیکھ لو۔ اندر آیا تو شہزادی کو بھی اسی حال میں پایا، بہت رویا اور چلایا۔ بولا" مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ شہپال کی برابری کر سکوں۔ آپ کے والد کے بغیر یہ مصیبت ٹلنی مشکل ہے۔ میں جا کے انہیں لاتا ہوں۔ یہ کہہ کے ہوا کی طرح اڑ گیا، اور اس بزرگ کے پاس پہنچ لشکر کی تباہی کا وہ سارا حال جو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اسے بتایا اور کہا کہ" شام تک وہاں نہ پہنچے تو ان آفت کے ماروں پر بڑی مصیبت پڑے گی اور صبح تک کوئی جیتا نہ بچے گا۔"

وہ بزرگ یہ داستان سن کر بڑے پریشان ہوئے۔ فوراً شاہین پر سوار ہو کے اس میدانِ پُر خطر کا رخ کیا۔ شام سے پہلے وہاں آ پہنچے۔ سب کو دلاسہ دیا اور جان عالم سے یہ شکایت کی کہ" نادان تو نے کہا نہ مانا، جو کچھ سمجھایا تھا اس کے خلاف کیا۔ تم یہ کرتے تو ہم یادِ خدا چھوڑ کے اپنے باغ سے کیوں نکلتے۔" ملکہ نے عرض کیا" یہ وقت خفا ہونے کا نہیں، اس وقت جو بن پڑے وہ کرو اور ہمیں اس مصیبت سے آزادی دلاؤ۔"

بزرگ نے دور تک ایک گھیرا بنایا یعنی کچھ دعائیں پڑھ کے زمین پر دائرے کی شکل میں ایک لکیر کھینچ دی۔ یہ لکیر کیا تھی ایک مضبوط قلعہ تھا جسے کوئی پار نہ کر سکتا تھا۔ اس دائرے کے اندر جادو کا کوئی اثر نہ ہو سکتا تھا۔ ملکہ کا باپ ساری رات اس کے اندر بیٹھا عبادت کرتا رہا اور خدا سے دعائیں مانگتا رہا کہ جادوگرنی کو اس کے ہاتھوں شکست ہو۔

دن نکلا تو وہ جادوگرنی پھر اسی طرح اژدہے پر سوار آئی۔ پہلے ملکہ کے باپ کے پاس گئی اور اسے برا بھلا کہا کہ" اس بڑھاپے میں تیری کیا شامت آئی ہے کہ ہم سے مقابلہ کرنے چلا ہے۔ اب بھی باز آ جا ورنہ جادو کے زور سے تیرا کام تمام کر دوں گی۔" اس بزرگ نے جواب دیا کہ" میں جیوں اور میرے عزیز، میرے پیارے اس دنیا میں نہ رہیں تو ایسی زندگی سے موت بھلی۔ ہار جیت تو خدا کے ہاتھ ہے۔ آ تو بھی اپنے جی کی حسرت نکال لے۔" جادوگرنی کو یہ جواب سن کر اور بھی غصہ آیا۔ فوراً شیرنی کی صورت بنائی، اس بزرگ نے بھی مدد کے لیے شیرِ خدا کو آواز دی اور شیر کی شکل اختیار کی۔ دونوں طرف سے حملے ہونے لگے۔ جادوگرنی دبنے لگی تو اس نے عقاب کی شکل بنائی اور اڑنے لگی۔ بزرگ نے بھی خود کو باز بنایا اور اس کا پیچھا کیا۔ ذرا سی دیر میں باز نے عقاب کی گردن دبوچ لی۔ وہ بہت تڑپی مگر اس کے پنجے سے نہ چھوٹ سکی۔ آخر کو مر گئی۔ اس کے مرتے ہی زبردست شور اٹھا، زمین آسمان چکر کھانے لگے، زبردست آندھی آئی اور جادو کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا۔

شام کے قریب دھند چھٹ گئی، سب نے ایک دوسرے کو پہچانا، لشکر جادو کے پنجے سے چھوٹا۔ سب شکریہ ادا کرنے کو اس بزرگ کی



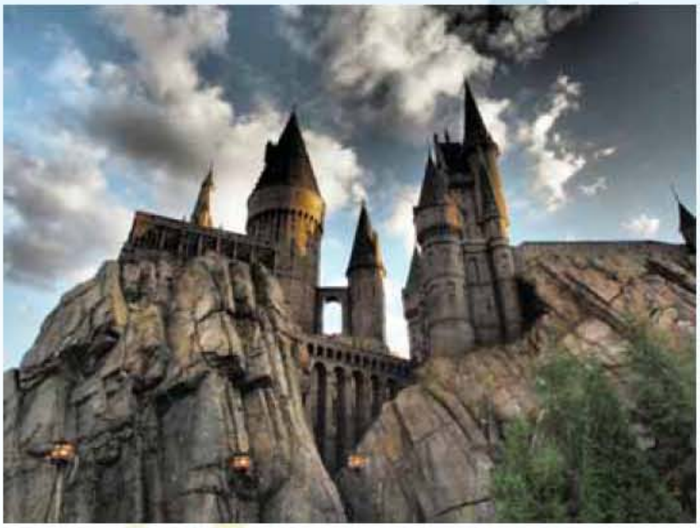
خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ اس گھیرے کے اندر ایک اسّی نوّے برس کی بوڑھی مری پڑی ہے۔ کمر دوہری ہوگئی ہے، منہ میں ایک دانت نہیں۔ چہرہ الٹے توے کی طرح کالا ہے، سارے بال سفید ہیں، مانگ میں پھر بھی سندور بھرا ہے۔ اہل لشکر نے جادوگرنی کی یہ درگت دیکھی تو خدا کا شکر ادا کیا۔

اس بزرگ نے فرمایا کہ ابھی قصہ تمام نہیں ہوا۔ ایک معرکہ اور باقی ہے۔ جادوگرنی تو مرگئی مگر ابھی اس کا باپ زندہ ہے اور وہ جادوگروں کا بادشاہ ہے۔ شہپال اس کا نام ہے، وہ اپنی بیٹی کا بدلہ لینے آئے گا اور قیامت مچائے گا مگر گھبراؤ مت۔ دشمن طاقت ور ضرور ہے مگر سب سے زیادہ طاقت والا وہ ہے جو ہم سب کا رکھوالا یعنی اللہ تعالیٰ ہے۔

یہ کہہ کر اس بزرگ نے ماش کے دو دانے اس کے دائیں بائیں پھینکے، دو جانور عجیب صورت کے پیدا ہوئے۔ چہرے ہرن کے اور دھڑ مور کا۔ ان کے سینگ یاقوت کے تھے۔ آنکھیں ہیرے کی اور پر زمرد کے۔ اس نے دو ٹھیکریوں پر کچھ لکھ کے ڈالا۔ وہ انہیں اپنی اپنی چونچ میں لے کے اڑ گئے۔

صبح ہوئی تو زور کی آندھی چلی۔ دو طرف سے جادوگروں اور

جادوگرنیوں کے غول اڑتے ہوئے آئے اور میدان میں اپنی صفیں جمالیں۔ جان عالم نے بھی اپنی فوج کی صفیں درست کرلیں۔ بزدلوں کے دل دہلنے لگے، بہادر اپنی تلواریں تولنے اور کسنے لگے۔ انجمن آرا اور مہرنگار نے بھی ایک اونچے ٹیکرے سے خیمہ لگوایا اور اس کو دیکھنے چلمنوں کے پیچھے آبیٹھیں۔



اب شہپال جادوگر اس آن بان سے آیا کہ چالیس خونخوار آگ اگلنے والے اژدہے اس کا تخت اٹھائے تھے۔ نولاکھ جادوگر اس کے دائیں بائیں تھے اور پیچھے ایسی زبردست فوج کہ کسی نے روئے زمین پر نہ دیکھی ہوگی۔ شہپال نے پہلے تو بزرگ کے پاس اپنا ایلچی بھیجا اور اسے ہر طرح ڈرایا دھمکایا مگر وہ تو ہمت کا پتلا تھا کسی طرح ہار ماننے کو تیار نہ تھا۔

آخر جنگ شروع ہوئی پہلے دونوں طرف سے جادوگر لڑے۔ دونوں طرف کے جادوگروں نے عجب عجب تماشے دکھائے اور جادو کے گولے اپنے اپنے دشمن کی فوج پر پھینکے، کبھی پتھر برسائے، جادوگری ختم ہوئی تو تیر و تلوار ار گرز اور نیزے کی لڑائی شروع ہوئی۔ دونوں طرف سے تلواروں کی بجلیاں چمکیں، گرز چلے، تیر برسے، ایسی جنگ ہوئی کہ سارا میدان کانپ اٹھا۔ ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے، خون کی ندیاں بہہ گئیں۔

اس جنگ میں شہپال کو زبردست ہار ہوئی، اور ملکہ کے باپ نے اس کا سر تن سے الگ کردیا۔ اس کی فوج کے سپاہی جو بچ رہے تھے ان کا جدھر کو منہ اٹھا بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ علاقہ اور اس کا قلعہ جان عالم کے قبضہ میں آیا۔ اسے سب سے زیادہ تلاش اس نقش اور لوح کی تھی جو جادوگرنی نے دھوکے سے اڑالی تھی۔ بڑی تلاش کے بعد وہ دونوں چیزیں ہاتھ آئیں۔

ملکہ کا باپ اب رخصت ہونا چاہتا تھا۔ اس نے روانہ ہونے سے پہلے جان عالم کو بہت سی نصیحتیں کیں اور سارے اونچ نیچ سمجھائے۔ راستے میں جتنے خطرے ہوسکتے تھے ان سب سے آگاہ کیا اور کہا ”میرے عزیز! اب کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ پھر مصیبت کا سامنا کرنا پڑے اور ہمیں باغ چھوڑنا پڑے۔ لو اللہ تمہارا نگہبان اور اس کا رسول تمہارا مددگار ہے۔“

شہزادے کا جہاز تباہ ہونا

ادھر وہ بزرگ اپنے باغ کو روانہ ہوا۔ ادھر جان عالم نے کوچ کیا۔ ایک دن دریا کے کنارے قیام ہوا، شہزادہ دریا کے کنارے کھڑا سیر کرتا تھا۔ سامنے سے ایک بہت بڑا اور شاندار جہاز کنارے کی طرف آتا دکھائی دیا۔ اس نے سمجھا کوئی سوداگر ہے کہ تجارت کا مال لیے پھرتا ہے۔ کنارے پہنچ کے جہاز نے لنگر کیا۔ کئی لوگ جہاز سے اتر کے شہزادے کی خدمت میں حاضر ہوئے بولے ”ہم لوگ ملاح ہیں، جو بادشاہ، شہزادہ یا امیر یہاں تشریف لاتا ہے ہم اسے دریا کی سیر کراتے ہیں عجب عجب دریائی جانور دکھاتے ہیں اور جو انعام ہمارے نصیب میں ہوتا ہے پاتے ہیں۔“

یہ سن کر شہزادے کے دل میں سیر کا شوق پیدا ہوا۔ ملکہ کو بھی ساتھ لینا چاہا۔ وہ ڈرتی تھی ایک مصیبت سے چھوٹے ہیں کہیں دوسری مصیبت نہ پڑیں۔ اس نے شہزادے کو سمجھایا کہ سیر کا خیال دل سے نکال دے مگر وہ نہ مانا اور اکیلا جانے کو تیار ہوا۔ شہزادیوں نے دیکھا کہ شہزادہ نہیں مانتا تو وہ خود بھی سفر کے لیے تیار ہوگئیں۔ سب جہاز پر سوار ہوگئے۔

تھوڑی دیر تو سیر دلچسپ رہی۔ پھر ایک زبردست طوفان اٹھا۔



جہاز چٹان سے ٹکرا کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ سب ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ شہزادے کو ہوش آیا کہ ایک تختے پر پڑا ہے اور وہ تختہ کنارے پر آ لگا ہے۔ شہزادے میں اٹھنے کی طاقت نہ تھی مگر ہمت کر کے اٹھا اور ایک طرف کو چل دیا۔ ذرا دور ایک بستی تھی۔ وہاں پہنچا۔ لوگوں نے حال پوچھا اور کھانا پانی پیش کیا۔ یہ شہزادیوں کے بچھڑنے سے ملول تھا۔ کھانے کو جی نہ چاہتا تھا مگر لوگوں کے سمجھانے سے دو لقمے لے لیے، پانی پیا، ذرا طبیعت ٹھہری تو شہزادے نے لوگوں کو اپنا حال سنایا۔ سب سن کے افسوس کرنے لگے۔ ایک شخص نے بتایا کہ "یہاں سے دو منزل دور ایک پہاڑ ہے، اس پر ایک جوگی رہتا ہے، جو کوئی اس کے پاس جاتا ہے اپنے دل کی مراد پاتا ہے، آج تک کوئی اس کی کٹیا سے مایوس نہیں پھرا۔" یہ سن کے شہزادے کی جان میں جان آئی۔ اسی وقت چلنے کا ارادہ کیا مگر لوگوں نے روکا کہ ابھی آرام کرنا ضروری ہے۔

اگلی صبح جان عالم اس پہاڑ کا پتہ پوچھ کے روانہ ہوگیا۔ چار دن کا سفر کر کے سنگ سفید کے پہاڑ پر پہنچا۔ کسی طرح اس کی چوٹی پر چڑھا۔ دیکھا کہ ایک جوگی جس کی عمر سوا سو برس سے کم نہیں تھی، جٹائیں اور داڑھی بڑھائے، دھونی رمائے اور بدن پر بھبھوت ملے بیٹھا ہے اور گیان دھیان میں ڈوبا ہے۔ سر پر کھاردے کی جھنڈی اڑ رہی ہے۔ اس پر کلمہ لکھا ہوا ہے۔ ماتھے پر قشقہ لگا ہے مگر پاس تسبیح اور مصلیٰ رکھا ہے۔ شہزادے نے ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کے سامنے ہاتھ باندھ کے جا بیٹھا۔ جوگی نے آہٹ پائی تو آنکھیں کھول دیں۔

شہزادے نے جھک کر سلام کیا۔ جوگی نے جواب دیا "بھلا ہوا بچہ! بڑی مصیبت اٹھا کے یہاں تک آئے ہو، بیٹھو۔ گرو بھلا کرے، خدا تمہارے دل کی اچھا پوری کرے۔ ہم چلنے کو تیار تھے مگر تمہاری امانت لیے بیٹھے تھے۔ ہمارے گرو نے ایک دن بتایا تھا کہ ایک شہزادے کا جہاز ڈوبے گا، وہ اپنے پیاروں سے بچھڑے گا، پھر وہ تجھے ڈھونڈتا یہاں تک آئے گا، اپنی مراد پائے گا اور اس کے دیکھنے سے تیرا کام پورا ہو جائے گا۔ بھگوان نے جیسے جڑواں بھائیوں کا کام بنایا تھا۔ ایسے ہی تیرا بھی بنائے گا۔"

جان عالم کے دل میں جڑواں بھائیوں کا حال جاننے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس نے جوگی سے پوچھا کہ ان کا کیا قصہ ہے۔

یہ حیرت انگیز کہانی پڑھیے آئندہ ماہ اس سلسلے کی آخری قسط میں

□ ادارہ

اردو Facebook



□ انکل! میرا نام ارقم راہی ہے، عمر 11 سال اور میں چوتھی جماعت میں پڑھتا ہوں۔ بچوں کی دنیا روز بروز بہتر ہوتا جارہا ہے۔ میں اسے پچھلے ایک سال سے لگاتار پڑھتا رہا ہوں۔ میرے ابو توقیر عالم راہی کہتے ہیں کہ بیٹا زندگی میں اچھا کردار اور اچھا اخلاق حاصل کرنا چاہتے ہو تو اردو پڑھو۔ میرے ابو خود بھی اردو کے ادارے سے منسلک ہیں اور اردو کی ہی روٹی کھاتے ہیں۔ ہمارے گھر میں اردو کا ماحول ہے۔ میں نے بچوں کی دنیا کے لیے ایک کہانی لکھی ہے۔ آپ اسے شائع کریں گے نا؟

ارقم راہی درجہ چہارم، رحمن پبلک اسکول، شاہین باغ، اوکھلا، نئی دہلی

’بچوں کی دنیا‘ کے لائق ہوئی تو کیوں نہیں چھاپیں گے۔ آپ بھیجیں تو سہی



□ میں زینب سرور (دختر جناب سرور عالم خاں) آپ کی اور اس رسالے کی فین ہوگئی ہوں۔ اتنا اچھا رسالہ نکالتے ہیں آپ لوگ۔ ہم لوگ خوش قسمت ہیں جو یہ رسالہ ہمارے وقت میں نکل رہا ہے۔ میری ممی کو لکھنے پڑھنے کا بہت شوق ہے انھوں نے ہی مجھے یہ رسالہ دیا ہے، وہ اردو دنیا بہت برسوں سے پڑھتی رہی ہیں، مجھے ٹھیک نہیں لگتا تھا جب وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر اردو دنیا پڑھتی رہتی تھیں اب، ہم دونوں ساتھ میں پڑھتے ہیں، وہ اردو دنیا اور میں بچوں کی دنیا۔ جہاں مجھے سمجھ نہیں آتا تو میں ان سے پوچھ بھی لیتی ہوں۔ میں بہت اچھی ڈرائنگ بناتی ہوں۔ کیا آپ میری ڈرائنگ چھاپیں گے؟

ہولی پبلک اسکول، ڈوبھی بھدریہ، گیا، بہار

اچھی ڈرائنگ بناتی ہیں تو فوراً بھیجیں



□ میرا نام اقرا ہے، میں چھٹی جماعت میں پڑھتی ہوں اور اردو لکھنا پڑھنا بھی مجھے آتا ہے۔ ’بچوں کی دنیا‘ کے کئی شمارے میں نے پڑھے ہیں اور اس میں تصویریں بہت اچھی چھپتی ہیں۔ جو بھائی بہن ’بچوں کی دنیا‘ پڑھتے ہیں ان سے میری گزارش ہے کہ وہ خود بھی اردو کو اپنائیں اور دوسروں سے اردو اپنانے کی اپیل کریں کیونکہ یہ ہمارے ملک کی سب سے میٹھی زبان ہے اور ہم سب کی پہچان اس سے ہوتی ہے۔

اقرا، معرفت فیضان میڈیکل اسٹور، شاہ بہلول، سہارنپور، اترپردیش

□ مدیر انکل۔ میں زینب کی چھوٹی بہن رقیہ ہوں اور میری عمر ابھی صرف 4 سال ہے۔ بچوں کی دنیا بہت اچھا رسالہ ہے۔ مجھے بہت پسند ہے۔ میں ابھی ٹھیک سے تو پڑھ نہیں پاتی ہوں لیکن مجھے اس میں بھالو اور بندر کی تصویر بہت اچھی لگتی ہے۔ آپ پلیز اس میں پریوں والی کہانی بھی دیا کریں۔ دادی کے قصے بھی نہیں دے رہے ہیں۔ مجھے بہت انتظار ہے کہ آپ کب میری فوٹو چھاپتے ہیں۔



ہولی پبلک اسکول، ڈوبھی بھدریہ، گیا، بہار

□ السلام علیکم انکل! میرا نام عبدالمقسط ہے ابھی میں نرسری کلاس میں پڑھتا ہوں اور ابھی مجھے پڑھنا بھی نہیں آتا مگر میری امی، دادی اور پھوپھی مجھے بچوں کی دنیا پڑھ کر سناتی ہیں اور میں نے اس میں سے کئی نظمیں یاد کرلی ہیں۔ اتنی اچھی کتاب چھاپنے کے لیے بہت بہت شکریہ۔



عبدالمقسط نزد جامع مسجد، دہلی۔ 110006

Back Inner Cover

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

کلیات ملا رموزی (جلد اوّل حصہ اوّل)

مرتب: خالد محمود
صفحات: 453
قیمت: -/151 روپے

کلیات ملا رموزی (جلد اوّل حصہ دوم)

مرتب: خالد محمود
صفحات: 454 تا 896
قیمت: -/140 روپے

کلیات ملا رموزی (جلد دوم)

مرتب: خالد محمود
صفحات: 750
قیمت: -/243 روپے

کلیات ملا رموزی (جلد سوم)

مرتب: خالد محمود
صفحات: 710
قیمت: 235 روپے

کلیات ملا رموزی (جلد چہارم)

مرتب: خالد محمود
صفحات: 875
قیمت: 279 روپے

کلیات ملا رموزی (جلد پنجم)

مرتب: خالد محمود
صفحات: 426
قیمت: -/156 روپے

مقالاتِ مسعود

مصنف: مسعود حسین خان
صفحات: 230
قیمت: -/106 روپے

علامہ فضل حق خیرآبادی: چند عنوانات

مصنف: خوشتر نورانی
صفحات: 248
قیمت: -/91 روپے

تحقیق و تعارف

مصنف: حنیف نقوی
صفحات: 288
قیمت: -/99 روپے

پیروڈی: نقد و انتخاب (جلد اوّل)

مرتبہ: امتیاز وحید
صفحات: 354
قیمت: 118 روپے

پیروڈی: نقد و انتخاب (جلد دوم)

مرتبہ: امتیاز وحید
صفحات: 368
قیمت: 133 روپے

ہندوستانی تہذیب

مصنف: ابن کنول
صفحات: 399
قیمت: -/131 روپے

تعلیمی رہنمائی اور صلاح کاری

مصنف: عبدالغنی مدہوش
صفحات: 192
قیمت: -/67 روپے

جدید دنیا میں تعلیم

مصنف: نیاز احمد اعظمی
صفحات: 179
قیمت: -/73 روپے

تعلیمی نفسیات

مصنف: طلعت عزیز
صفحات: 242
قیمت: -/96 روپے

پودحفاظتی آلات کی مرمت اور دیکھ بھال

مترجم: سید ظفر الاسلام
صفحات: 78
قیمت: -/64 روپے

پیٹ کے کیڑے

مصنف: محمد رفیق اے ایس
صفحات: 79
قیمت: -/40 روپے

حسن نعیم اور نئی غزل

مصنف: احمد کفیل
صفحات: 284
قیمت: -/104 روپے

شعبہ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Front Inner Cover

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا



تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیشکش



اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظرِ عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبہ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in